إِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ
ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے (العنکبوت)

الدرس الحاوی

شرح اردو

عقیدۃ الطحاوی

تصنیف
الامام الفقیہ حجۃ الاسلام ابوجعفر الطحاوی الحنفی
ولادت سنہ ۲۲۹ھ وفات سنہ ۳۲۱ھ

شارح
مولانا محمد اصغر القاسمی مظفرنگری
خادم التدریس [illegible]

مکتبہ رحمانیہ
اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7221395

إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ

جملہ حقوق بحق مکتبہ محفوظ ہیں

[رجسٹرڈ]

الدرس الحاوی

شرح اردو

عقیدۃ الطحاوی

تصنیف

الامام الفقیہ حجۃ الاسلام ابو جعفر الطحاوی الحنفی

ولادت ۲۳۹ھ وفات ۳۲۱ھ

شارح

مولانا محمد اصغر ہاشمی ملتوی

[illegible]

مکتبہ رحمانیہ
اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب — العقیدۃ الطحاوی

تصنیف — الامام الفقیہ حجۃ الاسلام
ابو جعفر الطحاوی الحنفی

شارح — مولانا یوسف خان کشمیری

مطبع — علی اعجاز پرنٹرز

ناشر — مکتبہ رحمانیہ

التماس

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست مضامین الدرس الحاوی شرح اردو عقیدۃ الطحاوی

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
مقدمہ	۱	قدرت ومشیت الٰہی	۳۷
فرق باطلہ	۲	ہدایت وضلالت کا مالک	۳۷
امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ	۹	ہر چیز نظام قدرت کے مطابق ہے	۳۷
توحید	۲۱	اس کی قضا کوئی ٹال نہیں سکتا	۴۰
اسکا کوئی شریک نہیں	۲۱	شرکت سے بالاتر	۴۰
اس کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا	۲۱	اسکی طرف سے ہر شی کے ہونے کا یقین	۴۰
اس کے سوا کوئی معبود نہیں	۲۳	خاتم الانبیاء ﷺ	۴۴
اس کی ذات قدیم ہے	۲۳	آپ کی بعثت جن و بشر کے لئے ہے	۴۶
اس کو کبھی فنا نہیں	۲۳	قرآن مجید	۴۶
اس کا چاہا ہوتا ہے	۲۳	اللہ تعالیٰ کو صفت بشر سے متصف کرنا کفر ہے	۵۰
عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی	۲۳		
مخلوق اس کے مشابہ نہیں	۲۷	دیدار الٰہی	۵۰
وہی دائم وقیوم ہے	۲۷	آیت کی تفسیر	۵۳
خالق ورازق ہے	۲۷	اسلام کی ثبات قدمی	۵۵
موت وبعث کا مالک ہے	۲۷	کفر وایمان کے درمیان مذہب	۵۷
اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے	۲۷	دیدار الٰہی پر ایمان بلا تاویل معتبر ہے	۵۷
تخلیق سے پہلے ہی خالق ہے	۲۷	نفی و تشبیہ سے پرہیز لازمی ہے	۵۹
ہر شی پر قادر ہر شی اس کی محتاج	۲۷	اللہ تعالیٰ وحدت کیساتھ متصف ہے	۵۹
تخلیق اس کے علم ازلی سے ہے	۳۳	اللہ تعالیٰ حدود و جہت سے منزہ ہے	۵۹
تقدیر	۳۳	معراج رسولؐ	۶۳
موت کا وقت متعین ہے	۳۳	حوض کوثر	۶۳
اس سے کوئی شی مخفی نہیں ہے	۳۳	شفاعت	۶۳
مخلوق کو اطاعت کا حکم	۳۳	عہد میثاق	۱۳

جنتی اور جہنمی کی تعداد علم الٰہی میں	۶۶
بندوں کے افعال علم الٰہی میں	۶۶
تقدیر کی حقیقت	۶۸
لوح و قلم	۷۱
بندہ کی غلطی اور صواب تقدیر سے وابستہ ہے	۷۴
کوئی مخلوق تخلیق خداوندی کے بغیر نہیں ہو سکتی	۷۵
تقدیر کے مسئلے میں ملامت بربادی ہے	۷۶
عرش و کرسی	۷۶
ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ ہیں	۷۹
ملائکہ انبیاء اور آسمانی کتابوں پر ایمان	۷۹
اہل قبلہ کا ایمان	۷۹
ذات باری میں جھگڑا	۸۰
قرآن میں مجادلہ	۸۱
اہل قبلہ کی تکفیر	۸۳
ایمان کے ساتھ گناہ مضر	۸۳
مومنوں کی بخشش کی امید	۸۳
امید و بیم کے درمیان ایمان ہے	۸۶
مومن ایمان سے خارج کب ہوگا؟	۸۶
ایمان کی تعریف	۸۷
قرآن و حدیث کی تمام باتیں حق ہیں	۸۸
وحدت ایمان	۸۸
سب مومن اللہ کے ولی ہیں	۸۸
ایمان مفصل	۹۱
تمام رسولوں کو برابر ماننا	۹۱

اہل کبائر دائمی جہنمی نہیں ہیں	۹۳
ہر نیک و بد کے پیچھے نماز	۹۵
کسی اہل قبلہ کو جنتی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے	۹۵
کسی مسلمان پر تلوار اٹھانا جائز نہیں	۹۷
امام سے بغاوت جائز نہیں	۹۷
اہل سنت کی اتباع اور فرقہ بندی سے اجتناب	۹۹
اہل عدل سے محبت اہل ظلم سے بغض	۹۹
متشابہات کا علم صرف اللہ کو ہے	۹۹
مسح علی الخفین	۹۹
حج و جہاد قیامت تک فرض ہیں	۱۰۳
کراماً کاتبین پر ایمان	۱۰۴
ملک الموت	۱۰۴
عذاب قبر و سوال منکر نکیر	۱۰۴
بعث جزاء و عرض۔ حساب۔ اعمالنامہ	
ثواب و عذاب۔ صراط و میزان	۱۰۵
جنت و جہنم پیدا ہو چکیں	۱۰۹
جنت و جہنم کی تخلیق مخلوق سے پہلے	۱۰۹
ہر شخص وہی کرے گا جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا۔	۱۰۹
خیر و شر بندوں کا مقدر ہے	۱۰۹
استطاعت کی دو قسمیں	۱۱۲
فعل عبد اللہ کی مخلوق اور بندہ کا کسب ہے	۱۱۴
تکلیف و وسعت مساوی ہیں	۱۱۶
ہر چیز اللہ کی مشیت سے جاری ہے	۱۱۷

اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ۱۲۷
قضاء کونی و شرعی ۱۲۷
ایصال ثواب ۱۲۰
اللہ بندوں کی دعا قبول کرتا ہے ۱۲۰
حاجت روا وہی ہے ۱۲۰
ہر شئی اس کی ملکیت ہے ۱۲۰
ہر شئی اس کی محتاج ہے ۱۲۰
اسکی خوشی و ناراضگی مخلوق جیسی نہیں ۱۲۰
اصحاب رسول سے محبت ایمان اور بغض کفر و نفاق ہے ۱۲۳
خلفاء راشدین اور خلافت عشرہ مبشرہ ۱۲۶
عشرہ مبشرہ ۱۲۷
اصحاب رسول کا ذکر خیر کرنے والا نفاق سے بری ہے ۱۲۸
تمام علماء سلف صالحین انکا ذکر جمیل کرتے ہیں ۱۲۸
کوئی ولی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا ۱۲۸
ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے ۱۳
کرامات اولیاء ثابت ہیں ۱۳
علامات قیامت ۱۳۰
نجومی کی خبر کی تصدیق نہیں کی جائیگی ۱۳۳
کتاب و سنت کے خلاف دعوی مقبول نہیں ہوگا ۱۳۴
جماعت حق اور فرقہ بندی گمراہی ہے ۱۳۴
دین الٰہی ایک ہی ہے ۱۳۵
خاتمہ بالایمان اور فرق باطلہ سے
کمزور درجے کے لئے اللہ سے دعا ۱۳۸

ضمیمہ کتاب

خلافت الٰہی اور دینی سیاست ۱۳۹
خلافت کے تقاضے امام کا قیام ۱۴۳
با صلاحیت امام کا انتخاب ۱۴۴
عہدہ کے طالب کو امام نہیں بنایا جائے ۱۴۹
شورائی نظام ۱۴۹
قانون قطعی ۱۵۱
انصاف کے ساتھ فیصلہ ۱۵۲
قوم پر حاکم کی اطاعت لازم ۱۵۱
ملکی و سرحدی حفاظت، اعلاء کلمۃ اللہ اور تجارت کا محاسبہ ۱۵۲
لوگوں کے حالات کا محاسبہ ۱۵۳
قیام دین اور حدود شرعی کی حفاظت ۱۵۳
دعوت و تبلیغ اور حدود و قصاص کا نفاذ ۱۵۶
تعلیم کا نظم و نسق ۱۵۶
جملہ مسلمین کی تنظیم ۱۵۹

مقدمہ

نبی اکرم ﷺ نے معجزہ کے طور پر فرمایا بنی اسرائیل میں اختلاف کی وجہ سے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے تھے میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں صرف ایک فرقہ ناجی اور جنتی ہوگا باقی سب فرقے غیر ناجی اور ناری ہوں گے صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا وہ ایک ناجی فرقہ کون ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ فرقہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر عمل پیرا ہوگا۔ (اہل سنت والجماعت)

طوالت سے احتراز کرتے ہوئے یہاں صرف فرق باطلہ کا اجمالی نقشہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان فرقوں کے تفصیلی عقائد و نظریات معلوم کرنے کیلئے تلبیس ابلیس صفحہ نمبر ۲۲۳ صفحہ نمبر ۱ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

اصول اختلاف کے اعتبار سے فرق ضالہ چھ (۶) ہیں

(۱) روافض (۲) خوارج (۳) جبریہ (۴) قدریہ (۵) جہمیہ (۶) مرجیہ

پھر ان میں سے ہر ایک فرقے کی ۱۲ شاخیں ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہیں۔

شمار	فرقہ روافض	فرقہ خوارج	فرقہ جبریہ	فرقہ قدریہ	فرقہ جہمیہ	فرقہ مرجیہ
۱	علویہ	ازرقیہ	مضطریہ	احمدیہ	معطلہ	تارکیہ
۲	ابتریہ	اباضیہ	افعالیہ	ثنویہ	مریسیہ	سائبیہ
۳	شیعیہ	ثعلبیہ	مفروغیہ	معتزلہ	ملتزقہ	راجیہ
۴	اسحاقیہ	حازمیہ	نجاریہ	کیسانیہ	واردیہ	شاکیہ
۵	ناووسیہ	خلفیہ	مبانیہ	شیطانیہ	زنادقہ	بیہسیہ

۶	امامیہ	کوزیہ	کسبیہ	شریکیہ	حرقیہ	ایمانیہ
۷	زیدیہ	کنزیہ	سابقیہ	وھبیہ	مخلوقیہ	مستثنیہ
۸	عباسیہ	شراخیہ	ختیہ	ربویہ	فانیہ	مشبہ
۹	متناسخہ	اخنسیہ	خوفیہ	بزیہ	عریہ	حشویہ
۱۰	رجعیہ	محکمیہ	فکریہ	ناکثیہ	واقفیہ	ظاہریہ
۱۱	لاغیہ	معزلہ	حسنیہ	قاسطیہ	تبریہ	بدعیہ
۱۲	متمربصہ	میموثیہ	معیہ	نظامیہ	لفظیہ	منقوصیہ

اہل سنت والجماعت کا مختصر تعارف

یہ جماعت تین لفظوں سے مرکب ہے۔ (۱) اہل۔ معنی اشخاص، مقلدین، اتباع، پیرو۔ (۲) سنت۔ معنی راستہ، جادہ، روش۔ طرز زندگی اور طرز عمل کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں رسول اکرم ﷺ کے طرز زندگی اور طریقہ عمل کو کہتے ہیں۔ (۳) جماعت۔ لغوی معنی تو گروہ کے ہیں۔ لیکن یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے۔ اس لفظی تحقیق سے اہل سنت والجماعت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے عقائد و نظریات اور اعمال و مسائل کا محور پیغمبر اسلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام کا اثر مبارک ہے۔

سنت کا متقابل لفظ بدعت ہے۔ بدعت کے معنی نئی بات کے ہیں کہ اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جس کی تلقین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو۔ اور ان ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشا ظاہر ہوتا ہو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے

علاوہ سب عقائد نظریات بدعت ضلالت ہے۔ (رسالہ اہل سنت)

اہل سنت والجماعت کی پہچان بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس میں دس خصلتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت سے ہے۔ (۱) نبی ﷺ کے بعد تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کو تسلیم کرنا۔ (۲) حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی توقیر کرنا۔ (۳) خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی تعظیم کرنا۔ (۴) متقی اور فاسق کی نماز جنازہ کا قائل ہونا۔ (۵) صالح اور فاسق کی امامت کو جائز سمجھنا۔ (۶) عادل اور ظالم بادشاہ کی اطاعت کرنا ان سے بغاوت نہ کرنا۔ (۷) مسح علی الخفین کا قائل ہونا۔ (۸) اچھی بری تقدیر کو اللہ کی طرف سے سمجھنا۔ (۹) انبیاء اور عشرہ مبشرہ کے علاوہ کسی مومن کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت سے احتراز کرنا۔ (۱۰) نماز اور روزہ کی ادائیگی کو فرض سمجھنا۔

حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ ان علامات کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط وخصائل بیان کی جاتی ہیں مثلاً قیامت میں رویت باری پر ایمان قبر اور احوال برزخ کا حق ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ۷۳ فرقوں کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ جبکہ فرقے شمار کے اعتبار سے اس سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ بہت سے فرقے باطلہ اس دور میں پیدا ہو رہے ہیں مثلاً بریلویت۔ مودودیت۔ غیر مقلدیت۔ قادیانیت وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ فرقوں کی یہ تعداد اصولی اختلاف کے اعتبار سے ہے ورنہ فروعی اختلاف کے اعتبار سے ان کی تعداد بڑھی ہوئی ہے چنانچہ حکیم الاسلام (محشی کتاب) فرماتے ہیں

والمراد من الاختلاف بين الفرق اختلاف الاصول لا لاختلاف الفروع والا لازداد عدد الفرق على ثلاث وسبعين۔ والمراد من قوله صلى الله عليه وسلم كلهم في النار الا ملة

واحدة انهم يعذبون عذاباً شديداً لفساد اعتقاداتهم وسوء اعمالهم بخلاف الفساق من اهل السنة والجماعة فانهم يعذبون لسوء اعمالهم۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں بیان کردہ یہ عدد تحدید کیلئے نہیں بلکہ کثرت کو بتانے کیلئے ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عربوں میں یہ عدد (۷۳) کثرت کو بتانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جیسا کہ ہمارے محاورے اور عرف میں ۱۸/۳۶/۷۰/ وغیرہ کے عدد کثرت کو بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ ۷۰ دفعہ تجھ کو سمجھایا ہوں مگر تیری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اس میں مراد ۷۰ کی تحدید نہیں ہوتی بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے۔ فکذا هذا

امام طحاوی کا مختصر تعارف

نام ونسب:۔ ابو جعفر کنیت تھی احمد نام تھا والد کا نام محمد تھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے ابو جعفر احمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب ازدی۔ حجری۔ طحاوی مصری۔

ازد یمن کا ایک مشہور ترین قبیلہ ہے اس کی ایک شاخ حجر تھی اور ایک شاخ شنوہ تھی شنوہ سے امتیاز کے لئے حجری کہا جاتا ہے۔ پھر یمن سے مصر منتقل ہوگئے اس لئے مصری کہا جاتا ہے اور طحا مصر کے ایک دیہات کا نام ہے جہاں آپ مقیم ہوگئے تھے اس لئے طحاوی کہا جاتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۳)

ولادت:۔ آپ کے سن ولادت میں چار قول نقل کیے گئے ہیں۔

(۱) ۱۰ ربیع الاول ۲۳۹ھ (۲) ۲۳۸ھ (۳) ۲۲۹ھ (۴) ۲۳۹ھ بعض حضرات نے تیسرے قول کو اور حافظ ابن کثیر نے چوتھے قول کو ترجیح دی ہے۔ مطابق ۲۵/ مئی ۸۵۳ء (اتحاف الخلف)

وفات:۔ مختصر طور پر ۳۰/ شوال شب جمعرات ۳۲۱ھ مطابق ۲۵/ جنوری ۹۳۳ء میں انتقال ہوا اور مصر کی قرافہ نامی بستی میں دفن کیے گئے۔ مقدمہ امانی الاحبار میں صفحہ ۹ پر آپ کی پیدائش، مدت عمر اور وفات کا تاریخی عدد یہ نکالا ہے۔

پیدائش مصطفیٰ ۲۲۹ھ عمر محمد ۹۲ سال وفات مصطفیٰ ۳۲۱ھ

تحصیل علم:۔ تقریباً تین سو اساتذہ و شیوخ سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کی اور تیسری اور چوتھی صدی کے ان جلیل القدر فقہاء اور بلند پایہ حفاظ حدیث کی صف میں شامل ہو گئے جنہوں نے پوری زندگی کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف کر دی۔

مسلک حنفی قبول کرنا:۔ آپ کے استاذ امام مزنیؒ کتب حنفیہ کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے امام طحاویؒ نے بھی کتب حنفیہ کا کثرت سے مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ تو آپ کو دلائل شافعیہ کے مقابلہ میں دلائل حنفیہ زیادہ محقق اور مضبوط معلوم ہوئے۔ اب آپ کا میلان کتب حنفیہ کی طرف زیادہ ہوا اور فقہ حنفی آپ کے دل کو ایسا بھایا کہ اب آپ کی پیاس فقہ حنفی سے بجھتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے مسلک شافعی کو چھوڑ کر مسلک حنفی اختیار کر لیا۔ بعض حضرات نے آپ کا شمار تیسرے طبقہ کے محدثین میں کیا ہے لیکن آپ وہ پہلے اور آخری محدث ہیں جنہوں نے طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کے عظیم المرتبت محدثین کی روش سے ہٹ کر حنفی مسلک اختیار کیا اور پوری زندگی اسی کی اشاعت کی یہاں تک کہ آپ مسلک حنفی کے بہت بڑے وکیل (بیرسٹر) کہلائے۔

(امانی مقدمہ امانی ص ۳ س، تاریخ کبیر للذہبی، عقیدہ طحاویہ مترجم، مرآۃ الجنان)

عقیدۃ الطحاوی:۔ آپ حدیث و فقہ کے امام، اجتہادی شان کے مالک اور مجدد تھے۔ آپ کی تصانیف تیس (۳۰) سے زائد ہیں۔ معانی الآثار فن حدیث میں آپ کی پہلی تصنیف ہے جو اپنے طرز اور ندرت بیان کی وجہ سے دیگر متون پر راجح ہے۔ اور یہ آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ آپ کی گراں قدر تصانیف میں عقیدۃ الطحاوی بھی ہے۔ جو اگرچہ مختصر ہے لیکن فائدے کے اعتبار سے عظیم تر کتاب تصور ہوتی ہے۔ کیونکہ

امام طحاویؒ نے عقائد سے متعلق اس کتاب میں وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جس کی ہر مسلمان کو شدید ضرورت ہے اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقائد کو بڑی سادگی سلاست اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا نام "بیان السنۃ" ہے جو عقیدۃ الطحاوی کے نام سے مشہور ہے۔ بعض حضرات نے اس کا پورا نام بیان عقائد اهل السنة والجماعة على مذهب فقهاء الملة بتایا ہے۔

یہ کتاب علم عقائد میں ہے اور کسی بھی فن کی کتاب شروع کرنے سے پہلے سات چیزوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے: (۱) فن کی تعریف (۲) فن کی غرض وغایت (۳) فن کا حکم (۴) فن کا مرتبہ (۵) فن کی تدوین (۶) مصنف کے حالات زندگی۔ (۷) فن کا موضوع۔

(۱) تعریف:۔ وہ شیٔ ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق ہے۔

(۲) غرض:۔ جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہو۔ غایت وہ نتیجہ جو اس پر مرتب ہو مثلاً کتاب خریدنے کے لئے بازار جانا تو غرض ہے اور کتاب خریدنا غایت ہے۔

(۳) موضوع:۔ جس کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے۔

(۴) حکم:۔ شیٔ پر مرتب ہونے والا اثر جیسے کتے کے جھوٹے پانی کا حکم اور اثر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے اس سے وضوء جائز نہیں۔

(۵) مرتبہ:۔ شیٔ کا مقام۔

(۶) تدوین:۔ بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینا۔

(۷) حالات مصنف:۔ یعنی مصنف کتاب کا نام و نسب تعلیم و تعلم علمی مقام، تصنیف و تالیف اور مسلک وغیرہ کا تعارفی انداز میں ذکر کرنا۔

تعریف: العقائد ما یقصد فیه نفس الاعتقاد دون العمل

عقائد وہ علم ہے جس میں اعتقاد مقصود ہو عمل مقصود نہ ہو۔ جن احکام کا انسان مخاطب ہے انکی دو قسمیں ہیں۔ (۱) احکام اصلی۔ (۲) احکام فرعی۔ احکام اصلی وہ احکام ہیں جن کے حق ہونے کا دل میں محکم یقین ہو جیسے باری تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین۔

احکام فرعی وہ احکام ہیں جو عملاً کئے جاتے ہیں جیسے نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ۔

غرض:۔ تقلید سے ترقی کر کے یقین حاصل کرنا۔ (۲) ہدایت کا راستہ ڈھونڈنے والوں کو دلیل سے راستہ دکھانا۔ (۳) مخالفین کو دلیل سے زیر کرنا۔ (۴) دینی عقائد کی حفاظت کرنا۔ (۵) دوسرے علوم شرعیہ کو اس سے مستحکم کرنا۔ کیونکہ علم عقائد سب کے لئے جڑ ہے۔

غایت:۔ ان تمام باتوں کی غایت سعادت دارین ہے۔

موضوع:۔ متقدمین کے نزدیک اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں مگر متاخرین کے نزدیک اس کا موضوع وہ معلومات ہیں جن سے دین محمدیؐ کے عقائد کو ثابت کیا جائے۔

حکم ومرتبہ:۔ بندوں کے تمام اعمال کا صحیح اور مقبول ہونا باطن کی صفائی اور عقائد کی درستگی پر موقوف ہے عقائد صحیح ہوئے بغیر سارے اعمال ظاہرہ ضائع اور لغو ہیں کیونکہ دل میں عقیدہ اور ایمان کی حیثیت ایک درخت کی ہے اور انسان کے ظاہری اعمال اس کی شاخیں ہیں۔ درخت کی جڑ جس قدر مضبوط اور صحیح ہوتی ہے اس کی شاخیں بھی اتنی ہی ہری بھری ہوتی ہیں اور اگر اس کی جڑیں اکھڑ جائیں یا کھوکھلی اور کمزور پڑ جائیں تو اس کی شاخیں بھی اس سے متاثر ہونگی اور کمزور ہونگی یہی حال عقیدہ کے صحیح مضبوط اور کمزور ہونے کا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ علم عقائد کا مقام ومرتبہ بہت اونچا ہے اور اسکی تحصیل فرض ہے۔

تدوین:۔ جس طرح علم فقہ اور اصول فقہ کی تدوین کا سہرا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے سر ہے اسی طرح علم عقائد کی تدوین کا سہرا بھی آپکے سر ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ

ابو حنیفہ کنیت۔ نام نعمان والد کا نام ثابت کوفہ کے رہنے والے تھے اسلئے کوفی کہے جاتے ہیں۔ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے امام مالک سے عمر میں بڑے ہیں۔ اور ان کے استاذ بھی ہیں۔ ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی درمختار کے قول کے مطابق بیس (۲۰) صحابہ اور صاحب اکمال کے قول کے مطابق چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ اور حضورؐ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے۔ مجدالدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ تقریباً بیس فقہاء کا لقب ہوا ہے لیکن ان سب میں زیادہ فقیہ ہونے کی وجہ سے اس لقب سے آپ مشہور ہوئے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بھی چار ہزار ہے اور تلامذہ کی تعداد بھی چار ہزار ہے۔ آپ زہد و تقویٰ جود و سخاوت کا پیکر اور اخلاق حسنہ کا مجسمہ تھے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ آپ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة۔ کہ تمام انسان فقہ میں ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔ بعض کوتاہ نظر امام صاحب کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہوئے یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ امام صاحب کو چند احادیث یاد تھیں۔ اور عربی زبان میں بھی کمزور تھے۔ جبکہ فصیح اللسان اور بلیغ الکلام ہونے میں آپ کی نظیر نہیں تھی۔ اسی طرح آپ نے صحابہ تابعین وغیرہ سے حدیث کا مکمل علم حاصل کیا۔ اور کوفہ میں جو صحابہ، محدثین اور فقہاء کا مسکن اور علم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کوئی ایسا محدث نہیں چھوڑا جس سے علم حدیث حاصل نہیں کیا۔

وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کا ذوق علم کلام اور علم حدیث میں لگا ہوا تھا لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگ دینی مسائل میں بے حد پریشان ہیں۔ اور مسائل پوچھنے میں امام صاحب کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو آپ نے اس شدید ضرورت کی وجہ سے فقہ کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ اور اپنے تلامذہ سے بھی فرمایا کہ فقہ میں میرا تعاون کرو۔ امام صاحب

کے تلامذہ دو طرح کے تھے اصحاب الحدیث اور اصحاب الفقہ، تقریباً چالیس (۴۰) تلامذہ نے اجتہاد کا درجہ بھی حاصل کر لیا تھا لیکن آپ کے سبھی تلامذہ نے فقہ کی خدمت کو اپنا مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر میں نہیں منصب قضاء وافتاء پر فائز کیا گیا جس سے آپ کے فقہ کو شہرت ملی۔ اور علم حدیث میں آپ کو اور آپ کے تلامذہ کو وہ شہرت نہیں مل سکی جو آپکے تلامذہ کے تلامذہ کو حاصل ہوئی کیونکہ ان کا محبوب ترین مشغلہ علم حدیث کی خدمت تھا۔ اس لئے یہ اعتراض بے جا اور تعصب سے بھرا ہوا ہے۔ اور یہ ایک تاریخی مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخصیت آفتاب و مہتاب بنکر آسمان علم پر چمکتی اور ابھرتی ہے اس کے فضائل و کمالات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور دنیا میں ان کے چرچے ہوتے ہیں۔ تو جہاں حق پسند جماعت ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتی ہے اور زمین پر ان کے وجود کو باعث رحمت اور اصلاح کا ذریعہ سمجھتی ہے تو ساتھ ہی حاسدین و معاندین کی جماعت بھی اس کی مخالفت کو اور تنقید کو اپنا نصب العین بنالیتی ہے۔ اور آفتاب پر پردہ ڈالنے کی ناپاک اور بے فائدہ کوشش کرتی ہے۔ امام صاحب کی مقدس شخصیت بھی انہیں میں سے ایک ہے جو آپ کے مقبول عند اللہ اور مقبول عند الناس اور برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

بہر حال آپ نے ایک عظیم باب کا دروازہ کھول دیا جس سے پوری انسانیت بھرپور فیضیاب ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ کے ہم عصر علماء و فضلاء نے آپ کی شان میں خوب کلام کیا ہے اور آپ کے فضائل و مناقب میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں اور متقدمین و متاخرین نے آپ کے احسانات کا اعتراف کر کے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

أعد ذكر نعمان لنا ان ذكره ☆ هو المسك ما كررته يتضوع

الفقه زرعه ابن مسعود وسقاه علقمة وحصده ابراهيم وداسه حماد وطحنه ابو حنيفة وعجنه ابو يوسف خبزه محمد فسائر الناس ياكلون من خبزه . (شامی)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

ابو یوسف کنیت۔ نام یعقوب والد کا نام ابراہیم، آپ ایک انصاری صحابی حضرت سعدؓ کی اولاد میں سے ہیں آپ کی پیدائش صحیح قول کے مطابق ۱۱۳ھ میں ہوئی احکام قضاء میں ابن لیلیٰ سے استفادہ کیا اور فقہ و حدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ سے کلی استفادہ کیا۔ رات دن امام صاحب کی خدمت میں گذارتے تھے۔ اونچے درجے کے حافظ حدیث تھے اللہ تعالیٰ نے بے نظیر حافظہ دیا تھا آپ کا شمار علامہ ابن جوزی نے ان سو افراد میں کیا ہے جو اس امت کے مخصوص اور بے نظیر صاحب حافظہ ہوئے ہیں آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی بڑی تعداد ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام محمد جیسی مایہ ناز شخصیتوں کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا درس نہایت مقبول تھا عہدہ قضاء پر فائز ہونے کے بعد آپ کا تدریسی و تعلیمی مشغلہ برابر رہتا تھا آپ نے اگرچہ اپنی نسبت کو امام صاحب کے ساتھ باقی رکھا مگر آپ کے علمی کمالات اور قوت اجتہاد کے پیش نظر آپ کو مجتہد مطلق ماننا ضروری ہے، آپ امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین تھے اخلاق حسنہ، زہد و تقویٰ قناعت کے مالک تھے، آپ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبد اللہ کنیت نام محمد والد کا نام حسن۔ اصل مسکن جزیرہ (شام) ولادت ۱۳۲ھ میں واسط میں ہوئی پھر والدین مستقل طور سے کوفہ منتقل ہو گئے کوفہ ہی میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی شیبانی ایک قبیلہ ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے شیبانی کہتے ہیں تفسیر، لغت و ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فقہ کی تکمیل امام اعظم اور امام یوسف سے کی اور حدیث کی تکمیل امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ سے کی آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی تعداد بڑی ہے۔ امام شافعیؒ آپ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔

نہایت قوی حافظ اور حدیث و فقہ کے امام مجتہد تھے۔ کتب تاریخ میں آپ کی تصنیفات و تالیفات ایک ہزار تک بیان کی گئی ہیں جو امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔ سبھی مذاہب کے ائمہ نے آپ کی تدریسی اور تصنیفی خدمات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ شب بیداری آپ کی عادت تھی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ رات میں سوتے کیوں نہیں ہیں۔ تو فرمایا "کہ مسلمان ہم پر اعتماد کر کے سوتے ہیں تو میں کیسے سو جاؤں" کچھ حضرات نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے متعلق فرمایا کہ خلق قرآن کے قائل تھے اور فرقہ جہمیہ یا مرجیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تو یہ قول جھوٹ اور صراحۃ باطل ہے۔ دونوں کا معظم نظریہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ تھا۔ کَمَا زَعَمَ الْبُخَارِيُّ اَنَّ الْاِمَامَ اَبَاحَنِيْفَةَ وَالْاِمَامَ مُحَمَّدً جَهْمِيَّانِ اَوْ مُرْجِئَانِ فَهُوَ كِذْبٌ صَرِيْحٌ وَبَاطِلٌ كَمَا نَقَلَ الْمُحَدِّثُ الصَّيْمَرِيُّ اَنَّ مُحَمَّدًا كَانَ يَقُوْلُ مَذْهَبِيْ مَذْهَبُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَمَذْهَبُهُمَا مَذْهَبُ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَاتُصَلُّوْا خَلْفَ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ مَخْلُوْقٌ وَقَالَ اَيْضًا نُؤْمِنُ بِالْقُرْاٰنِ وَبِالْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالصِّفَاتِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ وَتَفْسِيْرٍ وَتَشْبِيْهٍ لِئَلَّا نَخْرُجَ مِنَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَلِئَلَّا نَكُوْنَ مِثْلَ جَهْمٍ خَارِجٍ مِنَ الْجَمَاعَةِ۔

حاصل یہ کہ امام محمدؒ نے فقہ حنفی کی اشاعت اور خدمت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ ہر طرح کی ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق رئیس الجامعہ دارالعلوم دیوبند

آپ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پوتے ہیں ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں دیوبند ہی میں پیدا ہوئے اصل نام محمد طیب رکھا اور تاریخی نام مظفر الدین اور حضرت مولانا عبد الغنی پھلاوڈیؒ نے خورشید قاسم تجویز کیا۔

علم وعمل کی دنیا میں خانوادہ قاسمی کسی تعارف کا محتاج نہیں ملک وبیرون ملک چہار جانب اس علمی خانوادہ کی خدمت آفتاب وماہتاب کی طرح روشن ہیں علم وفضل کے نورانی اور پاکیزہ ماحول میں حضرت کی تربیت ہوئی سات سال کی عمر میں حفظ کرنا شروع کیا اور دو سال کی قلیل مدت میں قرأت وتجوید کے ساتھ قرآن مجید کے حفظ کی تکمیل کی پانچ سال فارسی وریاضی کی تعلیم حاصل کرکے عربی کا نصاب شروع کیا جس سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت حاصل کی حدیث کی سند کو وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے حاصل ہوئی آپ کے ذی قدر اساتذہ میں شیخ الہندؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ بلیاوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامۃ العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری آپ کے علم حدیث کے خاص استاذ ہیں۔

علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کے علم وفضل ذکاوت اور قاسمی نسبت کی وجہ سے طلباء میں آپ کا درس نہایت مقبول ہوا درس وتدریس کے ساتھ آپ میدان خطابت کے شہسوار بھی تھے۔ وعظ وتقریر حقائق واسرار شریعت کے انداز بیان اور اعجاز مضامین میں آپ کو خداداد ملکہ اور خاص امتیازی قدرت حاصل تھی آپ کی تقریریں عمومی وخصوصی جلسوں میں بڑے شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں آپ کی تصنیفات سو (۱۰۰) کے قریب ہیں جو کہ علماء

اسلوب اور اسرار و حکم سے لبریز، نہایت جامع اور اچھے انداز تحریر میں اپنی مثال آپ ہیں۔

۱۳۵۰ھ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود آپ کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ سفر و حضر میں برابر جاری رہتا تھا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے جو ہند اور بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۳۴۱ھ میں آپ کو دار العلوم کا نائب مہتمم منتخب کیا گیا اور ۱۳۴۸ھ میں مستقل مہتمم بنا دیا گیا۔ دار العلوم نے آپ کے طویل زمانہ اہتمام میں نمایاں ترقی حاصل کی سن ۱۹۸۰ء میں آپ کے زیر اہتمام دار العلوم کا تاریخی اور مثالی جشن صد سالہ دستار بندی ہوا۔ جس میں ملک و بیرون ملک سے مشہور اکابرین علماء اور مقدس ہستیوں اور شاہان مملکت نے شرکت کی اور ماہرین کے اندازے کے مطابق پچیس لاکھ سے زائد مسلمانوں نے اس جشن میں حصہ لیا۔

۱۹۸۳ء میں آپ اس دنیا سے دار بقا کی جانب رحلت فرما گئے۔ اور مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْفَقِيْهُ عَلَمُ الْأَنَامِ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ أَبُوْ جَعْفَرٍ الْوَرَّاقُ الطَّحَاوِيُّ الْمِصْرِيُّ

ترجمہ: فرمایا شیخ امام فقیہ سردار خلائق حجۃ الاسلام ابو جعفر وراق طحاوی مصری نے۔

توضیح: شیخ۔ عمر رسیدہ، مجازاً استاد اور مرشد کے لئے بولا جاتا ہے اور اصطلاح میں محدثین وصوفیاء کے لئے۔ (الفوز السامی للراقم ج۱ ص۴۷) الامام۔ مقتدا قوم۔ الفقیہ علم فقہ کا جاننے والا۔ جمع فقہاء۔ یعنی فقیہ وہ عالم کہلاتا ہے جو اپنی اجتہادی صلاحیت اور غور وفکر کے ساتھ احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے۔ اور مخفی اور پیچیدہ مسائل کی وضاحت کرے۔ (فائق للزمخشری)

ولهذا لا يجوز أن يسمى الله تعالىٰ فقيها لأنه لا يخفى عليه شيء (كتاب التعريفات للجرجاني ص ۱۶۴)

علم۔ جھنڈا، سردار۔ انام۔ مخلوق۔ حجۃ۔ دلیل۔ حدیث کی اصطلاح میں وہ محدث جسکو تین لاکھ احادیث کا پورا علم ہو (الفوز السامی ج۱ ص۳۸)

تشریح: قال الشیخ سے المصری تک یہ عبارت امام طحاویؒ کی نہیں ہے بلکہ آپ کے کسی شاگرد وغیرہ کا مقولہ ہے جو آپ کی شایان اضافہ کیا گیا ہے۔ خود کوئی مصنف یا مؤلف اپنے لئے اس طرح کے القاب اور مداحیہ کلمات اختیار نہیں کرتا بلکہ بزرگان دین تو اپنی تصانیف وتالیفات میں اپنے نام کا اظہار تواضع وتقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں چہ جائیکہ اس طرح کے القاب۔

ابو جعفر:۔ امام طحاویؒ کی کنیت ہے۔ امام صاحب کے حالات شروع کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

الوراق:۔ مبالغہ کا وزن ہے، ورقے بیچنے والا۔ کاغذ بیچنے والا۔ کاغذ بنانے

والا۔ بہت لکھنے والا۔ چنانچہ امام طحاوی نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں آپ کی تصنیفات تیس سے زائد ہیں جن میں بعض بڑی ضخیم ہیں۔ اس لئے آپ کیلئے وراق کا لفظ استعمال کیا گیا۔ المنجد فی الاعلام میں وراق بعض حضرات کا نام نقل کیا ہے۔ (۱) وراق بن محمد بن عبداللہ نحوی (صاحب علل النحو والصواب) متوفی ۳۹۱ھ (۲) وراق بن محمد بن عبد اللہ لغوی نحوی بغدادی: بیاع تھے متوفی ۳۰۱ھ (۳) وراق محمد بن عمر ابوبکر متوفی ۲۳۰ھ شافعی المسلک تھے۔ وراق سے امام ترمذیؒ بھی مشہور راوی ہیں

هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيْدَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلٰى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ الْمِلَّةِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ الْكُوْفِيِّ وَأَبِيْ يُوْسُفَ يَعْقُوْبَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ الْأَنْصَارِيِّ وَأَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِيِّ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ وَمَا يَعْتَقِدُوْنَ مِنْ أُصُوْلِ الدِّيْنِ وَيَدِيْنُوْنَ بِهٖ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: یہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے فقہاء ملت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی اور ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مذہب کے مطابق اور اصول دین میں جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور رب العالمین کے لئے جس چیز کو وہ دین بناتے ہوئے ہیں۔ (ان چیزوں کا بیان ہے)

توضیح: مذھب۔ روش۔ طریقہ۔ اعتقاد۔ اصل جمع مذاہب اسلام کے مشہور مذاہب چار ہیں۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ فقہاء فقیہ کی جمع۔ علم فقہ جاننے والا۔ ملت مذہب۔ شریعت۔ اس شریعت کو چونکہ املاء کرایا جاتا ہے اور لکھ لکھایا جاتا ہے اس لئے اس کو ملت کہتے ہیں۔ (بیان الفوائد العرابی) اهل السنة والجماعة کی تحقیق صفحہ نمبر (۲۰) پر ملاحظہ ہو۔ فقہاء الملة مبدل منہ اور ابی حنیفہؒ اس سے بدل ہے۔ یا عطف بیان ہے۔ وما یعتقدون کا عطف

بیان پر ہے۔ اعتقاد باب افتعال سے ہے۔ بمعنی یقین رکھنا۔ اصول اصل کی جمع ہے معنی جڑ۔ فرع کا مقابل۔ والد۔ مصدر۔ منبع۔ اصول وہ قواعد جس پر کسی علم کی بنیاد ہو اصول دین۔ دین کی بنیادیں یعنی اعتقادیات۔ وما یدینون دان یدین باب ضرب دین اسلام اختیار کرنا۔ ابی حنیفۃ امام اعظم کی کنیت۔

نَقُوْلُ فِيْ تَوْحِيْدِ اللهِ مُعْتَقِدِيْنَ بِتَوْفِيْقِ اللهِ (۱) إِنَّ اللهَ تَعَالٰى وَاحِدٌ لَاشَرِيْكَ لَهٗ۔ (۲) لَاشَيْءَ مِثْلُهٗ (۳) وَلَاشَيْءَ يُعْجِزُهٗ۔

ترجمہ: توفیق ایزدی کے ساتھ۔ توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ (۲) کائنات کی کوئی چیز اسکے مشابہ نہیں (۳) اور کوئی بھی شئی اسکو عاجز نہیں کرسکتی۔

توضیح: توحید باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرنا۔ توفیق۔ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے فعل کو اپنی پسند اور مرضی کے مطابق کر دینا۔ اس سے مصنف نے آیت باری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ یعنی وما توفیقی الا باللہ۔ (میرے کام کا بننا اللہ ہی کی مدد سے ہے) اللہ۔ صحیح قول کے مطابق یہ اللہ کا علم ذاتی ہے۔ واحد۔ اسم فاعل معنی اکیلا۔ لاثانی۔ شریک۔ ساجھی جمع شرکاء۔ شئی۔ ممکن چیز۔ جو چیز جانی پہچانی جائے اور اس کی خبر دی جاسکے۔ جمع اشیاء۔ مثل۔ مشابہ۔ نظیر۔ مشابہت جمع امثال۔ یعجز۔ باب افعال سے عاجز کرنا۔ تھکا دینا۔

تشریح: مصنف علیہ الرحمۃ نے توحید باری تعالیٰ سے ابتداء کی ہے۔ اس لئے کہ۔ (۱) توحید اسلام کا رکن ایمان کی اساس اور عبادت کی بنیاد ہے۔ حدیث میں ہے وَحِّدُوا اللهَ فَاِنَّ التَّوْحِيْدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ۔ اللہ کی توحید کا اقرار کرو اس لئے کہ توحید عبادات کی بنیاد ہے۔ اسی لئے بندے کو سب سے پہلے توحید کا مکلف بنایا۔ (۲) تمام آسمانی مذاہب کی بنیاد ہی توحید پر ہے۔ ہر نبی نے

اپنے اپنے زمانے میں اول توحید کی دعوت پیش کی۔ (۳) قرآن میں جگہ جگہ توحید کو مقدم کرکے بیان کیا۔ (۱) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ۔ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (۲) فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد) (۳) اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیا) میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کرو۔

(۴) سلوک و معرفت کا پہلا درجہ توحید ہے۔ (۵) کلمہ توحید ہی اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اس کلمہ کی بدولت کفر کی حالت میں کئے گئے صغیرہ و کبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اب عبارت کی تشریح ملاحظہ ہو۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال و شئون (معاملات) میں یکتا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے نہ وہ خود جنس ہے۔ وہی مستحق عبادت ہے۔ اور وہی ہماری توجہات کا قبلہ ہے۔ قرآن مجید کی کثیر آیتیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً (۱) هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (زمر) اللہ تعالیٰ واحد القہار ہے۔ (۲) وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ (عنکبوت) اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے۔ (۳) لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ (انعام) اس کا کوئی ساجھی نہیں اور اسی کا مجھے حکم ملا ہے۔ (۴) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ۔ ملک میں اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ (۵) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف) حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ (۶) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء) اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو دونوں خراب ہو جائے۔ (۷) وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (مؤمنون) اسکے ساتھ کوئی معبود نہیں یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی بنائی چیز کو لیجاتا اور ایک ایک پر چڑھائی کرتا۔ (۸) اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (روم) اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا تم کو روزی دی پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارا کوئی شریک ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہے۔

(۳) کسی کام سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) ضعف و کمزوری کہ اس کام کو کرنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے۔ (۲) جہالت و نادانی اور علم کی کمی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں صورتوں سے منزہ ہے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس کے علم اور قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (فاطر) اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی کوئی چیز نہیں تھکا سکتی۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (آیت) اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ (۴) یعنی کائنات کی کوئی چیز نہ اس کی ذات و صفات کے برابر ہے۔ نہ کسی کا حکم اور فیصلہ اس کے حکم اور فیصلہ کی طرح ہے۔ نہ کسی کا مقام و مرتبہ اس کے مقام و مرتبہ کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ) اس کے مشابہ کوئی شئی نہیں۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص) اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(۴) وَلَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ. (۵) قَدِيْمٌ بِلَا ابْتِدَاءٍ دَائِمٌ بِلَا انْتِهَاءٍ (۶) لَا يَفْنٰى وَلَا يَبِيْدُ (۷) وَلَا يَكُوْنُ اِلَّا مَا يُرِيْدُ (۸) لَا تَبْلُغُهُ الْاَوْهَامُ وَلَا تُدْرِكُهُ الْاَفْهَامُ.

ترجمہ: (۴) اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ (۵) وہ قدیم ہے بغیر ابتداء کے (یعنی اس کی کوئی ابتداء نہیں) وہ ہمیشہ رہنے والا ہے بغیر کسی انتہا کے (یعنی اس کی کوئی انتہا نہیں) (۶) نہ وہ ذات فنا ہوگی اور نہ ختم ہوگی (۷) اور جہان میں نہیں ہوتا مگر وہی جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ (۸) انسانی خیالات اس کی حقیقت تک نہیں

پہنچ سکے اور نہ ہی عقل انسانی اس کا ادراک کر سکتی ہے۔

توضیح: الٰہ۔ معبود جمع آلہۃ۔ قدیم۔ (۱) وہ شئی جو خود بخود موجود ہو اس کا وجود غیر کی وجہ سے نہ ہو۔ (۲) وہ شئی جس کے وجود کی کوئی ابتداء نہ ہو۔ (۳) وہ شئی جس کی ابتداء اور انتہاء نہ ہو۔ (کتاب التعریفات ص ۱۴۸) ابتداء۔ باب افتعال شروع کرنا۔ دائم۔ باب ن سے اسم فاعل ہمیشہ رہنے والی ذات۔ انتہاء۔ باب افتعال۔ حد کو پہنچنا۔ یفنی۔ باب س سے فنا ہونا۔ یبید۔ باب ض ہلاک ہونا۔ یرید باب افعال۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ تبلغ۔ باب ن پہنچنا۔ اوھام وھم کی جمع ہے دل میں گذرنے والا خیال، قوت وہمیہ کو بھی وہم کہتے ہیں جس سے محسوسات کے جزوی معانی دریافت ہوتے ہیں جیسے زید کی شجاعت۔ سخاوت۔ افھام۔ فھم کی جمع ہے سمجھ۔ کسی چیز کا تصور۔

تشریح: (۴) ارشاد باری ہے۔ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (۵) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی (ہمیشہ سے) ہے اور ابدی (ہمیشہ) رہے گی۔ قرآن وحدیث میں قدیم کو اول سے اور "دائم کو آخر" سے تعبیر کیا ہے فرمایا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وہی اول ہے وہی آخر۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ (مسلم شریف) اے اللہ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تجھ سے بعد میں کچھ نہیں۔ اول وآخر کو مطلق بیان کیا ہے۔ اول مطلق جس کی ابتداء میں کوئی حد نہ ہو۔ اسی کو ازلی اور قدیم کہا جاتا ہے۔ آخر مطلق جس کی انتہا میں کوئی حد نہ ہو۔ اس کو دائمی اور ابدی کہا جاتا ہے۔ فَهُوَ قَدِيْمٌ لَمْ يَزَلْ. وَدَائِمٌ لَا يَزَالُ۔ (۶) اس کی ذات فنا نہیں ہوگی کیونکہ وہ ازلی اور ابدی ہے اور بیماری۔ کمزوری۔ فنا وہلاکت ان چیزوں کے ساتھ خاص ہے۔ جو فنا ہونے والی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (رحمٰن) زمین کی ہر

چیز فنا ہوگی۔ اور تیرے رب کی عظمت و برکت والی ذات باقی رہے گی۔ کُلُّ شَیْئٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ۔ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ختم ہونے والی ہے۔ پھر موجود کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ممکن۔ جس کو وجود خارج سے لاحق ہوتا ہے۔ (۲) واجب۔ کہ وجود اس کی ذات میں داخل ہو اس سے کبھی جدا نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے وجود اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا کہ اس پر فنا طاری ہو۔ فَیَجِبُ لَہُ الْبَقَاءُ اَبَدًا وَلَایُمْکِنُ لَہُ الْفَنَاءُ آنًا۔ (۷) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز مثلاً مومن کا ایمان کافر کا کفر بندوں کے اچھے برے اعمال۔ نفع و نقصان سب اللہ کے ارادے سے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ لَایَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ (ھود) نہ کارگر ہوگی تم کو نصیحت میری جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے۔ قُلْ مَنْ ذَاالَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْءً اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَۃً (احزاب) تو کہہ کہ کون ہے جو تم کو بچائے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی۔ یا چاہے تم پر مہربانی۔ اس میں فرقہ قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر مومن اسکے ارادے کے مطابق ایمان لے آتا ہے، کافر ایمان نہیں لاتا انہیں یہ خدشہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو مرید کفر ٹھہرایا جائے تو یہ اللہ کی جانب غلط انتساب ہے، مگر ان کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے۔ اور خلق اور کسب کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

خلق اور کسب کا فرق:

افعال عباد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) افعال اضطراریہ۔ یعنی وہ افعال جو بندہ سے اس کے ارادہ کے بغیر صادر ہوتے ہیں جیسے اس شخص کی حرکت جسے رعشہ کا مرض ہو اس طرح کے افعال صرف اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کے صدور میں بندہ کی قدرت اور اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ (۲) افعال اختیاریہ وہ افعال جو بندہ کے ارادہ و اختیار سے صادر ہوتے

ہیں۔ جیسے کفر۔ ایمان۔ نماز۔ طاعت، معصیت یہ کل اختلاف ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بندوں کے افعال اختیاریہ بندے اور خدا تعالیٰ دونوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں بندہ کی قدرت کا تعلق کسب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق خلق سے ہے خلق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہ بندے کے اندر عمل کی قدرت کے پیدا کرنے کا نام ہے۔ کسب بندہ کا فعل ہے۔ یعنی خدا کی دی ہوئی قدرت کو استعمال کرنا۔ بندہ جب اللہ کی دی ہوئی اس قدرت کو (جو حادث ہے) استعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قدیمہ سے وہ عمل موجود فرمادیتے ہیں۔ اور کسی چیز کو موجود کرنے اور پیدا کرنے کیلئے اس چیز کے تفصیلی احوال کا جاننا ضروری ہے، اور یہ صفت صرف خدا کی ذات میں موجود ہے۔ بندہ میں یہ صفت نہیں پائی جاتی اس لئے اللہ تعالیٰ خالق افعال اور بندہ کاسب افعال کہلاتا ہے، اور چونکہ بندے میں قدرت واختیار باقی ہے اس لئے اس کو افعال کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اور جب بندہ اچھے برے اعمال کا کاسب ہے، تو مدح وذم اور ثواب وعقاب کا مستحق ٹھہرانا بھی درست ہے۔

(۸) اسباب علم تین ہیں۔ (۱) حواس سلیمہ۔ (۲) عقل۔ (۳) خبر صادق۔ حواس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ظاہری۔ (۲) باطنی۔ حواس ظاہری پانچ ہیں۔ (۱) سمع۔ سننے کی طاقت۔ (۲) بصر دیکھنے کی طاقت۔ (۳) شم سونگھنے کی طاقت۔ (۴) ذائقہ چکھنے کی طاقت۔ (۵) لمس چھونے کی طاقت۔ حواس باطنی بھی پانچ ہیں۔ (۱) حس مشترک وہ قوت جو ظاہری چیزوں کی صورت کو حاصل کرتی ہے۔ جیسے جامع مسجد کی صورت۔ (۲) قوۃ متخیلہ وہ قوت جس میں حس مشترک کے ذریعہ حاصل ہوئی صورتیں جمع ہوتی ہیں۔ (۳) قوۃ واہمہ۔ وہ قوت جس میں وہم کے ذریعہ حاصل شدہ چیزیں جمع رہتی ہیں۔ (۵) قوۃ متصرفہ۔ جو حاصل شدہ چیزوں میں جوڑ توڑ لگاتی رہتی ہے۔

انسان بہت سی چیزوں کا ادراک اپنے حواس ظاہری وباطنی کے ذریعہ کرتا ہے لیکن حواس کا یہ ادراک ایک مقام پر چل کر رک جاتا ہے۔ اسکے بعد یہ حواس کام نہیں

کرپاتے پھر انسان بہت سی چیزوں کا ادراک اپنی عقل کے ذریعہ کرتا ہے۔ مگر چونکہ بہت سی چیزیں عقل کی پرواز سے بھی بالاتر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حواس اور عقل دونوں مادی چیزیں ہیں اس لئے ان کے ذریعہ صرف مادی چیزوں کا ادراک کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ علویات کے اجسام لطیفہ نوریہ تک ان قوتوں کی رسائی نہیں ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مالاعینٌ رأت ولااذنٌ سمعت ولاخطر علیٰ قلب بشر۔ یعنی وہ نعمتیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال گذرا۔ حالانکہ جنت عالم علویات کی جسمانی چیز ہے۔ تو جب ان قوتوں کی رسائی اجسام نوری اور حقائق غیب تک نہیں ہے تو اللہ کی ذات تک ان کی رسائی کیسی ہو سکتی ہے جو غیب مطلق ہے۔ جنید بغدادی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ما خطر ببالک فھو ھالکٌ واللہ اجل من ذلک۔ جو خیال تیرے دل میں گذرے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ یعنی وہ وہم وگمان سے منزہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ولا یُحیطُون بہ علما (طٰہٰ) بندے اس کی ذات کا اپنے علم سے احاطہ نہیں کرسکتے۔

لغت کی کتاب "صحاح" میں وہم کے معنی گمان، ظن اور فہم کے معنی علم کے بیان کئے ہیں کہا جاتا ہے۔ توھّمتُ الشّیءَ ظننتُہ وفھمتُ الشّیءَ علمتُہ۔ اس طرح آیت میں علم کی نفی سے فہم کی نفی ہو گئی۔ فما ظنُّک بالوھم۔ یعنی وہم کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔

(۹) ولا یُشبھُہ الأنامُ (۱۰) حیٌّ لا یموتُ قیُّومٌ لا ینامُ (۱۱)
خالقٌ بلا حاجۃٍ رازقٌ بلا مؤنۃٍ (۱۲) ممیتٌ بلا مخافۃٍ باعثٌ
بلا مشقّۃٍ (۱۳) مازال بصفاتہ قدیماً قبل خلقھم لم یزدد
بکونھم شیئاً لم یکن قبلھم من صفتہ وکما کان بصفاتہ
ازلیاً کذلک لایزال علیھا ابدیاً۔

ترجمہ: (۹) کوئی مخلوق اس کے مشابہ نہیں (۱۰) وہ ایسا زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور ایسا محافظ جس کو کبھی نیند نہیں آتی (۱۱) وہ سب کائنات کا خالق ہے اپنی کسی حاجت کے بغیر۔ بلا مشقت کے سب کو روزی دینے والا ہے (۱۲) وہ سب کو موت کی نیند سلانے والا ہے بغیر کسی کے ڈر کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے (مرنے کے بعد) بغیر کسی مشقت کے (۱۳) وہ ہمیشہ سے اپنی تمام ترصفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سے اضافہ نہیں ہوا اس کے کسی وصف میں مخلوق پیدا کرنے کے بعد۔ کسی چیز کا جو مخلوق پیدا کرنے سے پہلے اس میں نہ ہو اور جیسے وہ اپنی جملہ صفات کے ساتھ ازلی ہے ایسے ہی جملہ صفات کے ساتھ ابدی ہے۔

توضیح: قیوم قیام سے نکلا ہے معنی کھڑا ہونا قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں قیوم اور قیام مبالغہ کے صیغہ ہیں۔ جس کے معنی ہیں جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھے اور سنبھالے۔ اسی لئے قیوم حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہے۔ اسی وجہ سے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن) ممیت باب افعال سے اسم فاعل مارنے والا۔ مخافة مصدر باب س ڈرنا۔ باعث باب ف۔ اسم فاعل البعث دوبارہ زندہ کرنے والا۔ مشقة میم کے زیر اور زبر کے ساتھ دشواری۔ محنت جمع مشاق۔ ومشقات۔ صفات صفت کی جمع ہے۔ وہ اسم جو ذات کے احوال بتائے جیسے چھوٹا بڑا ہونا وغیرہ قدیم پرانا جمع قدماء۔ ازلیا ازلی قدیمی وہ ذات جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ ابدیا ابدی وہ ذات جسکے وجود کی انتہاء نہ ہو۔

تشریح: (۱) ارشاد باری ہے۔ لیس کمثله شیئ۔ کوئی شئی اسکے مشابہ نہیں جس کے ساتھ ہمکو تشبیہ دی جا سکے۔ یہ کلی ذات صفت۔ افعال ہر اعتبار سے عام ہے۔ کیونکہ وجود۔ قدرت۔ علم۔ سمع۔ روئیت۔ عروج

ونزول، ضحک، عرش پر قیام وغیرہ صفات اگرچہ بندوں میں بھی ہیں اور ذات باری تعالیٰ میں بھی مگر بندوں میں ان کی شان کے اعتبار سے اور اللہ تعالیٰ میں اسکی عظیم شان کے اعتبار سے۔ اسلئے بندوں کے افعال حتی کہ ذات و صفات اللہ کی ذات و صفات اور افعال سے کسی طرح مشابہ نہیں ہیں۔ (شرح فقہ اکبر) اس میں مصنف نے ان فرق ضالہ کی تردید کی ہے جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

(۱۰) ارشاد باری ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔ (فرقان) اس زندہ رہنے والی ذات پر بھروسہ کر جس کو کبھی موت نہیں آئیگی۔ کیونکہ موت مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ تو خود خالق موت ہے۔ خالق کی صفت ہے ازلی اور ابدی ہونا۔

ارشاد باری ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ۔ (بقرہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ رہنے والا محافظ، نہیں پکڑ سکتی اسکو اونگھ اور نہ نیند "سِنَة" کے معنی اونگھ اور نیند کے آثار کے ہیں اور "نوم" گہری نیند کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں موت کے مشابہ ہیں اور انکی وجہ سے زندگی میں نقص پیدا ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات جملہ عوارضات سے پاک و صاف ہے۔ اور اس کی زندگی کامل حیات اور حیات ابدی کے ساتھ متصف ہے۔ جو پورے عالم کے نظام کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے مگر مخلوق کی طرح نہ یہ کام اس کے لئے مشکل ہے اور نہ تھکان کا باعث ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا (بقرہ) نہیں تھکاتی اس کو ان دونوں کی حفاظت۔

(۱۱) ارشاد باری ہے۔ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (زمر) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (لقمان) یہ (آسمان و زمین وغیرہ) اللہ کی مخلوق ہے۔ پس مجھے بتاؤ اسکے علاوہ نے کیا پیدا کیا۔ معلوم ہوا خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔ کوئی مخلوق خالق نہیں ہو سکتی کیونکہ پیدا کرنے کا مطلب ہے شئی کو وجود دینا۔ اور وجود وہی دے سکتا ہے جس کا وجود ذاتی ہو خارجی نہ

ہو۔ اور رہا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اس کا وجود ذاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ اس لئے مخلوق کا پیدا کرنا اپنی کسی حاجت وضرورت کی وجہ سے نہیں۔ یہ تو اس کی شان صمدیت کے منافی ہے۔ بلکہ یہ تخلیق صرف اس کا فضل ہے۔ تاکہ بندگان خدا پر اس کی فیاضی۔ اور عدل وفضل کا ظہور ہو۔ اور مخلوق کی نیازمندی اور خالق کی بے نیازی ظاہر ہو۔ ارشاد باری ہے مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ۔ (ذاریات) میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا۔ زور آور۔ مضبوط۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ (فاطر) اے لوگوں تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے۔ رہی عبادت جس کو قرآن مجید میں تخلیق کا مقصد بتایا ہے۔ تو یہ خداوند تعالیٰ کی معبودیت اور بندگان خدا کی عبدیت ظاہر کرنے کیلئے ہے جس میں بندوں کی منفعت کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ کی عبادت اور اعمال صالحہ کرکے اللہ کی رضا حاصل کریں اور انعام واکرام کے مستحق بنیں۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ عَمِلَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا۔ جس نے نیک عمل کیا تو اپنے لئے اور جس نے برا عمل کیا تو اسکا وبال اسی پر ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اللہ تعالیٰ کی طاقت تمام کائنات پر عیاں ہے۔ عالم کا پر رونق افزوں نظام اس کی قدرت کا ظہور ہے کھانے والی مخلوق کی تعداد جس قدر بڑھتی ہے۔ غذائیں اور خوراک اس سے زیادہ مقدار میں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ ہر فرد بشر اس کا بالیقین مشاہدہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے رزق رسانی حب برابر مشکل نہیں۔ اس کو کمال قوت اور کمال قدرت حاصل ہے۔ اس کی قدرت کی شان تو یہ ہے۔ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

(۱۲) جس طرح اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں مخلوق کا پیدا کرنا ہے۔ موت

وزندگی بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو جب چاہتا ہے موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے یتیم بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بیوہ کر دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے خاندان صاف کر دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے بستیاں خالی کر دیتا ہے۔ اور اس عمل میں نہ اس کو کسی کا خوف ہے اور نہ کسی کی معذرت کا اندیشہ اسلئے کہ خوف و معذرت عجز کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے عجز سے بالاتر ہے۔ جیسے بادشاہان دنیا کو کسی بڑی قوم یا جماعت کو سزا دینے کے بعد احتمال ہوتا ہے کہ کہیں ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے۔ یا ملکی انتظام میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ بھلا کونسی طاقت ہے جو سزا یافتہ مجرموں کا انتقام لینے کیلئے اس کا پیچھا کرے گی۔ العیاذ باللہ۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے تمام احوال سے بخوبی واقف ہے۔ اسی کے لحاظ سے اس نے عمریں مقدر فرمائی ہیں۔ جب اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو فیصلہ خداوندی کے مطابق موت اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ موت وزندگی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (فرقان) اور نہیں مالک ہیں وہ مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے۔ اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (ملک) اللہ وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا برحق ہے۔ جس نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی نمونہ کے اپنے کلام کن فیکون کے ذریعے پیدا کر دیا۔ اس کے لئے دوبارہ ان چیزوں کو جمع کرنا اور پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ جبکہ خود خالق کائنات فرما رہا ہے۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اسلئے کہ بعث نام ہے۔ اعادہ کا یعنی شی کو اس کی پہلی حالت پر لوٹانے کا۔ ارشاد باری ہے۔ كَمَا اَنْشَاْنَا اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ جیسا کہ ہم نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا

گیا۔ معلوم ہوا کہ جو ذات کسی شئی کی تخلیق پر بلا مشقت قادر ہے وہ اعادہ پر بلا مشقت بدرجہ اولیٰ قادر ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ضعیف ہونا لازم آئے گا جو اس کی قدرت کاملہ کے منافی ہے۔

(۳) قرآن کریم کی اصطلاح میں اللہ صرف ذات یا صرف صفات باری کا نام نہیں ہے بلکہ ذات وصفات دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور ازلی ہے اس کی صفات بھی ازلی ہیں۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے۔ مارنے جلانے۔ رزق دینے وغیرہ کی یہ تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ میں ازل سے موجود ہیں۔ مخلوق کے پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو خالق یا رزق دینے کی وجہ سے اس کو رزاق یا موت دینے کی وجہ سے اس کو ممیت نہیں کہا جاتا۔ بلکہ وہ ازلی طور پر خالق ورزاق ہے۔ کسی شئی کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کی کسی صفت میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ کسی شئی کو ختم کرنے کی وجہ سے اس کی کسی صفت میں کمی آتی۔ بلکہ وہ ذات کی طرح قَبْلَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ۔ قدیم الصفات ہے۔ اس لئے کہ اگر مخلوق کو پیدا کرنے کی وجہ سے اس کو خالق کہا جائیگا تو خالق پر مخلوق کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ خالق مخلوق پر مقدم ہے جس کی وجہ سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اور اگر بلا خالق کسی شئی کی تخلیق عمل میں آئے۔ تو لازم آئے گا کہ ذات باری کی طرح وہ حادث نہ ہو۔ حالانکہ یہ بھی باطل ہے۔ کما مر تفصیلہ۔ اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ذات وصفات دونوں اعتبار سے ازلی اور قدیم ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا اشیاء ممکنہ کے ساتھ ایک تعلق ہے وہ یہ کہ اگر وہ اشیاء معدوم ہیں۔ تو تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان کو جانتا ہے۔ اور ان کے پیدا کرنے۔ حفاظت وتربیت کرنے۔ اور ان کی موت وزندگی پر قادر ہے اور اگر وہ اشیاء موجود ہیں تو تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انکو بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور جب تک چاہے گا ان کو باقی رکھے گا جیسے کاتب حالت کتابت میں کاتب بالفعل ہے۔ لیکن اگر وہ کتابت نہ کرے تو پھر بھی وہ کاتب بالقوہ ہے۔ کیونکہ کتابت کی صفت اس کے ساتھ قائم ہے۔ جب چاہے وہ کتابت کر سکتا ہے۔

(۱۴) لَیْسَ مُنْذُ خَلَقَ الْخَلْقَ اِسْتَفَادَ اِسْمَ الْخَالِقِ وَلَا بِاِحْدَاثِهِ الْبَرِیَّةَ اِسْمَ الْبَارِیْ لَهٗ مَعْنَی الرُّبُوْبِیَّةِ وَلَا مَرْبُوْبَ وَمَعْنَی الْخَالِقِیَّةِ وَلَا مَخْلُوْقَ وَكَمَا اَنَّهٗ مُحْیِی الْمَوْتٰی بَعْدَ مَا اَحْیٰی اِسْتَحَقَّ هٰذَا الْاِسْمَ قَبْلَ اِحْیَائِهِمْ كَذٰلِكَ اِسْتَحَقَّ اِسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ اِنْشَائِهِمْ.

ترجمہ: اس نے مخلوق پیدا کرنے کے بعد اپنے لئے خالق کا نام وضع نہیں کیا اور نہ ہی مخلوق کو وجود میں لا کر باری کا نام اختیار کیا بلکہ اس کے لئے ربوبیت کی صفت اس وقت سے ہے جبکہ کوئی مربوب (پلنے والا) بھی نہیں تھا اور خالقیت کی صفت اس وقت سے ہے جبکہ کوئی مخلوق بھی نہیں تھی اور جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد محیی (زندہ کرنے والا) کہلاتا ہے جیسے وہ ان کے زندہ کرنے سے پہلے بھی اس نام کا مستحق ہے۔ اسی طرح ان کے (مخلوق) کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خالق نام کا مستحق ہے۔

توضیح: استفاد باب استفعال حاصل کرنا۔ احداث باب افعال ایجاد کرنا۔ پیدا کرنا۔ بریۃ۔ مخلوق جمع برایا۔ باری خالق۔ پیدا کرنے والا۔ مربوب اسم مفعول جس کی تربیت کی جائے۔ انشاء۔ باب افعال۔ پیدا کرنا۔

تشریح: (۴) قرآن کریم میں صفات باری تعالیٰ کو ماضی مطلق کے صیغہ کے ذریعہ باری تعالیٰ کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور اس کی ذات کے لئے انہیں ثابت کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطًا۔ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وغیرہ ان آیات سے اس جانب صاف اشارہ ہو گیا کہ یہ صفات باری تعالیٰ کے لئے ازل ہی سے ثابت ہیں۔ ارشاد باری ہے هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (حشر) وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا۔ صورت کھینچنے والا اس کے سب نام خاصے۔ اس دور میں تمام صفات باری

کہ ماضی حال مستقبل کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قَبْلَ الْخَلْقِ (ازل میں) بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اور بَعْدَ الْخَلْقِ (ابد میں) بھی۔

(۱۵) ذٰلِكَ بِأَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَيْهِ فَقِيْرٌ وَكُلُّ أَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيْرٌ لَا يَحْتَاجُ إِلٰى شَيْءٍ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.

ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر کام اس کے لئے آسان ہے وہ کسی شی کا محتاج نہیں۔ اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

تشریح: (۱۵) اس عبارت کے ذریعہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد صفات باری تعالیٰ کو ازلی ثابت کرنا اور فرق باطلہ کی تردید ہے۔ چنانچہ "شَيْءٍ قَدِيْرٌ" میں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ بندے کو خالق افعال کہتے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ سے مشبہ کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کے ذریعہ معطلہ کی تردید ہے جو صفات باری کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۶) خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهِ (۱۷) وَقَدَّرَ لَهُمْ أَقْدَارًا (۱۸) وَضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا (۱۹) لَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ قَبْلَ أَنْ خَلَقَهُمْ وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ (۲۰) وَأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهِ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ.

ترجمہ: اس نے (اللہ تعالیٰ نے) مخلوق کو اپنے علم (ازلی) سے پیدا کیا۔ (۱۷) اور ان کی تقدیریں بنائیں۔ (۱۸) اور ان (مخلوق میں ہر ایک) کا آخری وقت مقرر کیا۔ (۱۹) ان (مخلوق کو) پیدا کرنے سے پہلے اس پر کوئی چیز مخفی

نہیں تھی اور وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے یہ جانتا تھا کہ وہ (اپنی زندگی میں) کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ (۲۰) اس نے بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے روکا۔

توضیح: خلق بمعنی اوجد وانشا بھی قدر کے معنی میں بھی آتا ہے بعلمه حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ ای خلقهم عالما بهم قدر باب تفعیل سے کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔ اندازہ مقرر کرنا۔ اقدار قدر کی جمع ہے۔ معنی اندازہ قدر کا مفعول بہ ہے۔ آجال اجل کی جمع ہے۔ عمر کی مقدر مدت۔ طاعت حکم شرعی امر کی بجا آوری۔ معصیة بالارادہ حکم کی نافرمانی۔

تشریح: (۱۶) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ کیونکہ خلق کے لئے لازم ہے کہ وہ مخلوق کے تفصیلی احوال سے واقف ہو ورنہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ مخلوق کو جو علم و کمال حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا عطیہ ہے۔ اسی کے ذریعہ بندے راہیاب ہوتے ہیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو دوسروں کو علم و کمال عطا کرے۔ خود اس سے خالی ہو۔ بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو حاوی ہے خواہ وہ موجود ہو یا غائب ہو۔ ارشاد باری ہے۔ هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غیب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طٰہٰ) ہمارا رب وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سجھائی۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص انداز میں بنایا۔ اور جس چیز کو جن افعال کے لئے پیدا کیا اس سے وہی افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اعضاء کا تناسب اور فطری موزونیت کا پورا لحاظ رکھا جس کو دیکھ کر ہر انسان کہہ اٹھتا ہے۔ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (نمل) کاریگری اللہ کی جس نے درست کیا ہر چیز کو۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

ارشاد باری ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ناپ کر۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق فنا ہوگی۔ ان کے فنا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں مرنے والا خواہ اپنی طبعی موت مرے یا کوئی اسے قتل کرے ہر صورت میں وقت مقررہ پر موت آئے گی۔ رہا قاتل قتل کی سزا ملنا تو وہ اس کو اس کے جرم کا ارادہ اور کسب کی وجہ سے دی جائے گی اس وجہ سے نہیں کہ اس نے قتل کرکے اس کو وقت سے پہلے موت کی نیند سلا دیا بلکہ اس کی موت اس کے مقررہ وقت پر واقع ہوئی ہے۔ کوئی مخلوق اپنے وقت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّا کُلَّ شَیْئٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (قمر) ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ مگر ٹھیک طریقہ پر۔ اور وعدہ مقرر پر۔ قرآن کریم نے عالم کی کچھ مخصوص چیزوں مثلاً۔ جن۔ بشر۔ ملک۔ فلک۔ وغیرہ کی مدتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ غیب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ اس کو مَا کَانَ اور مَا یَکُوْنُ (جو ہو چکا اور جو ہوگا) کا مکمل علم ہے۔ وہ ازل ہی سے مخلوق کے تفصیلی احوال سے باخبر ہے۔ اسلئے کہ مخلوق سے جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (صافات) اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اس میں روافض اور قدریہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ کا انسان کو اشرف المخلوقات بنانا۔ عقل و فہم سے مالا مال کرنا۔ کسب و اختیار کی قوت عطا کرنا۔ ایک خاص مقصد کے لئے ہے وہ یہ کہ انسان آزاد نہیں ہے بلکہ وہ اطاعت و عبادت خداوندی کا مکلف ہے۔ اور احکام شرع کا پابند ہے اسی لئے اسکو باقاعدہ ایک شریعت اور طریقہ دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے خالق کی اطاعت و عبادت کرنے اور نامرضیات سے احتیاط و اجتناب کو زندگی کا مشغلہ بنا کر رہے۔ ارشاد

جاری ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (نحل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل۔ احسان۔ قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور فحش ومنکر اور ظلم وجنایت سے منع کرتا ہے۔ قرآن کریم اوامر ونواہی سے بھرا ہوا ہے۔ اور رسول اللہؐ کے اوامر ونواہی بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں۔

(۲۱) كُلُّ شَيْءٍ يَجْرِيْ بِقُدْرَتِهٖ وَمَشِيْئَتُهٗ تَنْفُذُ لَا مَشِيْئَةَ لِلْعِبَادِ اِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ (۲۲) يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلًا وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَخْذُلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلًا۔ (۲۳) وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيْئَتِهٖ بَيْنَ فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ۔

ترجمہ: (۲۱) ہر چیز اس کے نظام قدرت کے مطابق چلتی ہے اور (اس جہان میں) اس کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندوں کی کوئی مشیت نہیں ہوتی ہے مگر جو اللہ تعالیٰ ان کے لئے چاہے۔ (۲۲) وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے ہدایت دیتا حفاظت کرتا اور مصیبت دور کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل وانصاف کی بنیاد پر گمراہ کرتا، رسوا کرتا اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ (۲۳) اور تمام دنیا اس کی مشیت (حکومت میں) اس فضل وکرم اور عدل وانصاف کے درمیان (زندگی کے مختلف مسائل سے) دوچار ہے۔

توضیح: قُدْرَتٌ۔ فعل یا ترک فعل کی طاقت، قدرت رکھنی۔ مَشِیْئَتٌ۔ ارادہ خواہش۔ یَعْصِمُ باب ض حفاظت کرنا۔ یُعَافِیْ باب مفاعلہ سے۔ مصیبت دور کرنا۔ فَضْلًا فضل بمعنی ابتداءً احسان یا عطیہ۔ یعنی بندے کو وہ چیز دینا جس کا وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستحق نہیں۔ اور ایسی نعمتیں عطا کرنا جن کا وہ اپنی

شان کے لحاظ سے مستحق نہیں۔ یضل۔ باب افعال سے گمراہ کرنا۔ یخذل باب نصر سے مدد چھوڑنا، رسوا کرنا۔ یبتلی باب افتعال سے آزمائش کرنا۔ فضلاً وعدلاً مفعول لہ ہیں۔ یتقلبون باب تفعل سے پلٹنا۔

تشریح: (۲۱) اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے جملہ امور کو تقدیر یعنی اپنے نظام قدرت سے وابستہ کردیا ہے۔ چنانچہ مومن کا ایمان، کافر کا کفر، فاسق کا فسق، غنی کی مالداری، فقیر کی فقیری، نفع نقصان سب تقدیر الٰہی کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔ اور جس مخلوق کو جو کام سپرد کردیا وہ اسی کے لئے مسخر ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یٰس) اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر۔ یہ سادھا ہے زبردست باخبر نے۔ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ (حج) اور کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اسی کے حکم سے۔

ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندہ اگر کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال نہ ہو تو وہ چیز محض بندہ کے ارادہ سے وجود میں نہیں آسکتی اور اگر بندہ نے ارادہ بھی نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسکو موجود کرنے کا ہے۔ تو وہ شی موجود ہوجاتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ (دھر) اور تم نہیں چاہو گے مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

فَمَا شِئْتَ كَانَ وَاِنْ لَّمْ اَشَأْ   وَمَا شِئْتُ اِنْ لَّمْ تَشَأْ لَمْ تَكُنْ

معلوم ہوا مومن کا ایمان کافر کا کفر وغیرہ مخلوق کے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں۔ البتہ کافر کا کفر وغیرہ جیسے مراد الٰہی تو ہیں مگر ان کے ساتھ رضاء الٰہی وابستہ نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں۔

(۲۲) مجموعہ عالم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق عمل حسن ہے۔ خواہ اچھی چیزوں کی تخلیق ہو یا بری چیزوں کی۔ جس طرح طیبات اور حلال و پاک چیزیں اسکی

پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور خنزیر جیسی نجس العین مخلوق بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہدایت و ضلالت کا خالق بھی وہی ہے کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانہ میں

اس لئے اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری نہیں ہے۔ کہ بندوں کیلئے وہی کام کرے جو اس کیلئے اصلح اور بہتر ہو۔ بلکہ وہ اگر بندوں کو ہدایت دے۔ اور ہدایت توفیق ان کو عطاء کرے۔ ان پر مزید احسان کرے۔ انکی حفاظت کرے۔ انہیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔ تو یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر وہ کسی کو گمراہ کردے تو یہ اس کا عین عدل و انصاف ہے۔ ارشاد باری ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (انعام) سو جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کا سینہ نہایت تنگ کردیتا ہے۔ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

رہا کفر و فسق وغیرہ پر سزا و مواخذہ تو وہ بندے کے کسب و اختیار پر ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسب و اختیار دے کر ایک اچھے اعمال کرنے اور برے اعمال سے رکنے کا مکلف بنایا ہے۔ اسی لئے وہ اعمال صالحہ کی صورت میں انعام و اکرام سے نوازتا ہے جو اس کا فضل ہے اور اعمال سیئہ کی صورت میں مواخذہ کرتا ہے جو اس کا عدل ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (شوریٰ) اور تمہیں جو مصیبت لاحق ہوتی ہے۔ سو تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔ اور وہ بہت سے گناہ معاف کردیتا ہے۔ (اپنے فضل سے)

(۲۳) تمام کائنات اللہ کی مخلوق اور اس کی پیاری ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت واجبی حق ہے۔ جس کی بجا آوری واجب العمل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس اطاعت و عبادت پر اجر و ثواب عطاء کرے تو یہ اس کا فضل ہے۔ کیونکہ مخلوق عبادت کی وجہ سے اجر و ثواب کی مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کی ادائیگی واجب ہو۔ لیکن اگر اللہ

تعالیٰ بندوں کی عبادت وغیرہ سے راضی ہو کر انہیں اجر وثواب اور انعام واکرام عطا فرمادے تو یہ اس کا فضل ہے کہ بلا استحقاق یہ انعام حاصل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان اعمال صالحہ کی بنیاد پر جنت کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اپنے فضل سے جنت میں داخل کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق اعمال صالحہ کرنے والا مومن ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اعمال سیئہ کرنے والے کو سزا نہ دے معاف کردے۔ تو یہ اس کا بڑا فضل ہے۔ کیونکہ وہ معافی کا مستحق نہیں تھا۔ اور اگر وہ اس کو جنایت کی بقدر سزا دے تو یہ اس کا عدل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے۔ کہ نیکیوں پر فضل کی بارش کرتا ہے۔ اور ایک نیکی کا اجر کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ اور برائیوں پر یا تو عفو ودرگزر کا پردہ ڈال دیتا ہے یا نظام عدل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کہ جنایت کی بقدر سزا دیتا ہے۔ اور کائنات کا سارا نظام اسی فضل وعدل کے درمیان جاری ہے ارشاد باری ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (انعام) جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے۔ اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ فَالنِّعْمَةُ فَضْلٌ. وَالْمُصِيبَةُ عَدْلٌ۔

(۲۴) لَا رَادَّ لِقَضَائِهِ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ (۲۵) وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ وَالْأَنْدَادِ. (۲۶) آمَنَّا بِذَٰلِكَ كُلِّهِ وَأَيْقَنَّا أَنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهِ.

ترجمہ: (۲۴) اس کی قضا وقدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے حکم کا کوئی تعاقب نہیں کرسکتا اور اس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (۲۵) وہ ذات ہمسروں اور شرکاء سے بالاتر ہے۔ (۲۶) ہم کُل اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔

توضیح: رادّ باب ([illegible]) سے اسم فاعل ہوتا۔ معقب باب تفعیل سے اسم

ٹال دیا کرنے والا۔ الاضداد ضد کی جمع ہے۔ مقابل۔ ہمسر۔ الانداد ند کی جمع ہے۔ مثل شریک۔ کلا تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ کُلُّ کَائِنٍ مُحْدَثٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ یعنی ہر حادث کا وجود ظہور من جانب اللہ ہے۔

تشریح: (۲۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل اور سب پر غالب ہے۔ اور سب اس کے سامنے عاجز ہیں اس لئے اس کے فیصلہ پر نہ کوئی غالب آسکتا نہ اس کا کوئی تعاقب کرسکتا۔ نہ اس کو کوئی ٹال سکتا۔ ارشاد باری ہے۔ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ (یونس) اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو اس کے سوا اس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور اگر چاہتا ہے تجھ کو کوئی بھلائی۔ تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ (رعد) اور اللہ فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلہ کا کوئی تعاقب نہیں کرسکتا۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهِ (یوسف) اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔ (۲۵) اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ اور تمام چیزوں کا مالک ہے۔ یہ صفت کسی اور میں نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی مقابل۔ شریک اور ہمسر بھی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ (روم) کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ان میں سے کچھ کرسکتا ہے۔ اس کی ذات پاک ہے ان سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

اس میں معتزلہ کا رد مقصود ہے۔ جو بندوں کو افعال کا خالق مانتے ہیں جبکہ اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں (۱) شرک لازم آتا ہے (۲) اللہ کا مقابل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ بندہ جب اپنے فعل کا خالق ہوگا۔ اور اس کو کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے نہ کرنے کا ہو تو بندہ کا فعل ارادہ خداوندی کے بغیر وجود میں آئے گا۔ جس سے اللہ کا مقابل

ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ ذات خداوندی۔ شرکت و مماثلت دونوں سے بالاتر ہے۔

(۲۶) کامل ایمان پر واجب ہے کہ شریعت میں عقائد سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ سب امور تقدیر الٰہی سے وابستہ۔ اور اس کی مشیت کے ماتحت ہیں۔ ان تمام باتوں پر ایمان لائے۔ اور پختہ اعتقاد رکھے کہ یہ سب منجانب اللہ ہے۔

(۲۷) وَاِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى وَرَسُوْلُهُ الْمُرْتَضٰى (۲۸) وَاِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِمَامُ الْاَتْقِيَاءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَبِيْبُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (۲۹) وَكُلُّ دَعْوَةِ نُبُوَّةٍ بَعْدَ نُبُوَّتِهٖ فَغَيٌّ وَهَوًى۔

ترجمہ (۲۷) اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے۔ منتخب نبی۔ اور پسندیدہ رسول ہیں۔ (۲۸) اور آپ خاتم الانبیاء متقیوں کے پیشوا۔ تمام رسولوں کے سردار۔ اور حبیب رب العٰلمین ہیں۔ (۲۹) آپ کی نبوت کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور نفس پرستی (جہالت) ہے۔

توضیح اِنَّ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِنَّ اللّٰہ وَاحِدٌ الخ پر عطف ہے۔ نقول کا مفعول ہے۔ محمد قرآن مجید میں آپ کے دو نام بیان کئے گئے ہیں (۱) محمد (۲) احمد۔ آمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (محمد) وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (صف) عبدًا بندہ۔ انسان میں عبدیت سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے لئے انسان کو پیدا کیا۔ عبدیت اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عبد سے یاد فرمایا۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔ پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گیا اپنے بندہ (محمد) کو۔ (بنی اسرائیل) مصطفیٰ۔ مجتبیٰ۔ مرتضیٰ باب افتعال سے اسم مفعول۔ قریب المعنی ہیں۔ برگزیدہ۔ منتخب۔ پسندیدہ۔ اتقیاء۔ تقی کی جمع ہے۔ متقی۔ پرہیزگار۔

تشریح: (۲۷) بندہ اللہ کی طرف سے عبادات کا مکلف ہے اور عبادات کا پسندیدہ طریقہ احکام الٰہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کے بارے میں فرداً فرداً ہر کس و ناکس سے کہے۔ یہ بھی خلاف حکمت تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایسے افراد منتخب فرمائے جن کو معصوم بنا دیا اور ان میں احکام الٰہی کی تبلیغ کا جذبہ و شوق پیدا فرمایا۔ اور روحانی نور و بصیرت بھی عطا فرمایا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے اور عالم لاہوت سے ان کا تعلق رہے۔ اور علوم الٰہی سے اکتساب فیض میں رکاوٹ نہ آئے۔ اور ظاہری طور پر انسانوں کی طرح جسم و بدن بھی عطا فرمایا۔ تاکہ بندوں تک احکام الٰہی کی تبلیغ ہو سکے۔ کیونکہ یہ انبیاء کرام اللہ اور بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔ تاکہ اپنے باطنی احوال کے ذریعہ عالم لاہوت سے استفادہ کر سکیں۔ اور احوال ظاہری کے ذریعہ بندوں کو فیض پہنچا سکیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے نبوت و رسالت کے لئے منتخب ہیں۔ نبوت و رسالت کسی اختیاری چیز نہیں کہ بندہ محنت و ریاضت کے ذریعہ اسے حاصل کرے بلکہ یہ وہبی چیز ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ارشاد باری ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح) اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائیں۔

(۲۸) آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری یہ سلسلہ نبوت آپ کی ذات اقدس پر مکمل کر دیا گیا۔ آپ کی نبوت و شریعت رہتی دنیا تک کے لئے کامل و مکمل کافی و شافی ہے۔ اصلاح امت کے لئے۔ اب کسی نبی یا نئے دین کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ انسانوں کی اپنی کمزوری دور کرنے کے لئے علماء امت اور مجددین ملت سے کام لیا جاتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (سلسلہ نبوت) تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

آپ کے خاتم النبیین ہونے کے دلائل بکثرت ہیں۔ جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (۱) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ (احزاب) محمدؐ تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (۲) آپ مخلوق میں علم و کمال اور عمل و اخلاق و مرتبہ میں سب سے اول بھی ہیں۔ اور افضل بھی۔ (۳) آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ اور آپ کی ذات اطہر تمام کمالات نبوت و انسانیت کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے کہ انسانیت کے تمام کمالات نبوت میں مجتمع ہوتے ہیں اور نبوت کے سارے کمالات ختم نبوت میں پنہاں ہیں اس لئے جو خاتم النبیین ہوگا اس میں اولین و آخرین کے سب کمالات جمع ہو گئے چنانچہ آپؐ ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کا مصداق اتم ہیں۔ (۴) آپ کے جسم اطہر پر بھی ختم نبوت کی مہر ثبت تھی۔

(۵) تمام انبیاء کی آپ نے امامت فرمائی۔ اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ پر ایمان لانے اور نصرت کرنے کا وعدہ لیا گیا۔ اور ہر نبی نے اپنی امت کو اس کی تبلیغ فرمائی۔ ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران) پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ (۶) اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِىْ اُمَّتِىْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِىٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِىَّ بَعْدِىْ (حدیث) میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک نبوت کا دعوی کرے گا جبکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ وَخُتِمَ بِىَ الرُّسُلُ (بخاری و مسلم) مجھ پر سلسلہ رسالت ختم کر دیا گیا۔

لیلۃ المعراج میں آپ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ اور ہر نبی متقی ہوتا ہے۔ کیونکہ تقوی نبوت کے آثار میں سے ہیں۔ اس لئے جس طرح آپ امام الانبیاء ہیں امام الاتقیاء بھی ہیں۔ دوسرے آپ ہادی امت بن کر مبعوث ہوئے ہیں آپ کے بعد

جو بھی نیک و متقی بنے گا آپ کی پیروی کی وجہ سے بنے گا۔ اسلئے آپ امام الاتقیاء ہیں۔

حدیث میں ہے۔ انا سید ولد آدم ولا فخر (ترمذی) میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔ اس میں آپ کی سرداری بحصول فضل تمام انسانوں پر واضح طور پر ثابت ہے۔ اس حدیث میں آگے چل کر قیامت کے دن کی قید اس لئے ہے۔ کہ اس دن آپ کی سرداری کا مکمل ظہور اولین و آخرین سب کے سامنے ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجی اللہ یا کلیم اللہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ و مسیح اللہ۔ کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو خلیل اللہ بھی کہا گیا (کمافی المسلم) اور حبیب اللہ بھی۔ اِنَّ اللّٰہ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا۔ (حدیث) بلاشبہ اللہ نے مجھے خلیل بنایا جیسے ابراہیم کو خلیل بنایا۔ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ (ترمذی) خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں یہ خلت دونوں کے لئے ہے۔ جبکہ محبت غیر کے لئے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں متوکلین، محسنین، صابرین وغیرہ محبوبین کی اقسام اور اللہ نے ان سے اسباب محبت کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تمام کمالات محبوبیت ختم نبوت میں جمع ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور چونکہ یہ مقام محبوبیت امت کے جن افراد کو حاصل ہوا وہ آپ کے اتباع کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لئے آپ سید المحبوبین بھی ہیں۔

نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو جانے کے بعد اگر کوئی دعویٰ نبوت پیش کرے تو وہ گمراہ و جاہل، کافر، زندیق، مرتد اور واجب القتل ہے۔ اس کی کوئی دلیل معتبر نہیں۔ اس کا وہی حشر ہوگا جو مسیلمہ کذاب وغیرہ کا ہوا۔ اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے بعد سابقہ نبوتوں کو باقی مانتا ہو۔ تو وہ بھی منکر ہو کر بلکہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ آیت قرآنی اور حکم منصوص کا انکار ہے۔ جو کفر ہے۔ ختم نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہیں۔ مگر وہ حصہ جس کو کتاب و سنت میں باقی رکھا گیا ہے۔

اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي (حدیث) اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔

(۳۰) وَهُوَ الْمَبْعُوثُ إِلَىٰ عَامَّةِ الْجِنِّ وَكَافَّةِ الْوَرَىٰ بِالْحَقِّ وَالْهُدَىٰ وَبِالنُّورِ وَالضِّيَاءِ (۳۱) وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالَىٰ مِنْهُ بَدَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا۔ وَأَنْزَلَهُ عَلَىٰ نَبِيِّهِ وَحْيًا وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُونَ عَلَىٰ ذٰلِكَ حَقًّا وَأَيْقَنُوا أَنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالَىٰ بِالْحَقِيقَةِ وَلَيْسَ بِمَخْلُوقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ وَقَدْ ذَمَّهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ وَعَابَهُ وَأَوْعَدَهُ عَذَابَهُ حَيْثُ قَالَ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ فَلَمَّا أَوْعَدَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ عَلِمْنَا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ وَلَا يُشْبِهُهُ قَوْلُ الْبَشَرِ۔

ترجمہ: (۳۰) اور آپ ﷺ تمام جن و انس اور پوری کائنات کی طرف حق و صداقت، رشد و ہدایت اور نور و ضیاء کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ (۳۱) اور بلاشبہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کتاب سے بغیر کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ کی بات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل فرمایا۔ مؤمنین نے حق سمجھتے ہوئے اس کی تصدیق کی اور وہ اس بات پر یقین لے آئے کہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں ہے۔ پس جس نے اس کو سن کر یہ یقین کیا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کی مذمت کی ہے۔ اور اس کو عیب کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَأُصْلِيهِ سَقَرَ۔ میں اس کو عنقریب جہنم میں داخل کروں گا تو جب اللہ نے اس شخص کو عذاب کی دھمکی دی ہے جس نے کہا کہ یہ انسان کا کلام ہے تو ہم نے اس حقیقت کا یقین کر لیا کہ یہ خالق بشر کا کلام ہے۔ اور یہ کلام بشر کے مشابہ نہیں ہے۔

توضیح: بالحق والهدی۔ یہ دین و شریعت کے لحاظ ہیں۔ شرح عقیدۃ الطحاویہ مطبوعہ عرب میں وبالنور والضیاء کا اضافہ بھی ہے۔ جبکہ ضیاء میں نور سے زیادہ کمال روشنی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ نور کا تعلق قمر سے اور ضیاء کا تعلق سورج سے ہے اور سورج کی روشنی قمر کی روشنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ وحی۔ پیغام۔ الہام کردہ چیز۔ انبیاء پر نازل ہونے والا پیغام

تشریح: (۳۰) آپ کی بعثت سے پہلے انبیاء کرام کو خاص قوموں اور علاقوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا چونکہ یہ سلسلہ نبوت آپ پر مکمل کر دیا گیا اب آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی نہیں آئے گی اسلئے آپ کو آخری اور پوری دنیا کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ کی نبوت کسی خطہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ پوری دنیا کے جنات اور انسانوں کے لئے ہے۔ ارشاد باری ہے۔ يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (احقاف) (جنات کے بارے میں ہے) کہ اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کی بات مانو اور اس پر یقین لاؤ۔ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا (جن) جنوں نے کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو نیک راہ بتاتا ہے سو ہم اس پر یقین لائے اور ہم اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف) اے محمد کہہ دیجئے کہ میں تم سب (لوگوں) کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا) نہیں بھیجا ہم نے محمد کو مگر سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے واسطے۔ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ وَمِنْهَا اَنِّيْ اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ (مسلم شریف) مجھے انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا (جس طرح آپ خاتم النبیین ہیں ایسا خاتم رسل بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا ختم بی الرسل)

(۲۱) قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ متکلم ہے۔ مگر وہ ہماری طرح منہ اور زبان سے تکلم نہیں کرتا۔ ذات کی طرح اس کی جملہ صفات بھی بے مثال و بے کیف ہیں۔ کم و کیف اجسام کے خواص میں سے ہیں جن سے اللہ کی ذات منزہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے تکلم کی کیفیت کیا ہے۔ ہم اس سے واقف نہیں۔ نہ ہم اسے جان سکتے ہیں وہ اپنی شایان شان تکلم کرتا ہے۔ شیخ فریدالدینؒ نے کہا ہے کہ قول اور الحن نے آواز نے۔ ارشاد باری ہے۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء) اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ظہور من جانب اللہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کو کلام اللہ بے وجہ تشریف کہا گیا ہے۔ جیسے بیت اللہ، عبداللہ۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے بدأ کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن جبریل کے قلب پر معنی کے طور پر وارد ہوا۔ پھر جبریل نے اس کو اپنی زبان سے تعبیر کیا۔ قولاً کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا تکلم حقیقی ہے۔ مجازی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ تِلْكَ آيَاتُ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (بقرہ) یہ آیات ہیں ہم تلاوت کرتے ہیں تجھ پر الحق۔ فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (قیامہ) پس جب ہم پڑھنے لگیں (فرشتہ کی زبانی) تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے۔

کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر قرآن کریم براہ راست نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایک صریح حقیقت کا انکار ہے۔ مصنفؒ نے وحیاً کہہ کر اس کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے وحی کے طور پر نازل ہوا۔ وہ محض وجدان اور تخیلات سے پیدا نہیں ہوا العیاذ باللہ۔ ارشاد باری ہے۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ (انعام) اور میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی۔ اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ (عنکبوت) پڑھ جو وحی کی گئی تیری جانب کتاب۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ مصنفؒ نے لیس بمخلوق کہہ کر اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اللہ کا کلام اور اس کی ذات کی طرح اس کی

صفت قدیم ہے اور ازلی ہے۔ جو حادث نہیں۔ اگر قرآن کو مخلوق کہیں تو اس کو حادث کہنا پڑے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا۔ اس کا غیر مخلوق ہونا۔ بذریعہ وحی اس کا حضورؐ پر نازل ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ اور نفس الامر کے مطابق ہے۔ یہی عقیدہ و مسلک شروع نبوت سے لے کر آج تک تمام اہل ایمان۔ سلف صالحین۔ صحابہ و تابعین کا اللہ تعالیٰ سے سند متصل کے ساتھ نبی مختار کے واسطے سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکبر میں فرمایا۔ اَلْقُرْآنُ فِی الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَفِی الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى الْاَنْسِ مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِیِّ مُنَزَّلٌ وَلَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ وَالْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ۔ قرآن مصاحف میں مکتوب ہے۔ قلوب میں محفوظ ہے۔ انسانوں پر پڑھا گیا ہے۔ نبی پر نازل کیا گیا اور ہمارا تلفظ بالقرآن مخلوق اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

شیخ عبدالعزیز مکی نے معتزلہ کے سردار بشر مریسی سے مناظرہ کے دوران یہی عمدہ بات فرمائی تھی۔ کہ تیرے اوپر تین باتوں میں سے ایک لازم ہے۔

(۱) اگر تو کہے کہ اللہ نے اپنا کلام اپنی ذات میں پیدا کیا تو یہ محال ہے کیونکہ وہ حادث ہونے والی چیز کا محل نہیں بن سکتا۔ وَالْمَخْلُوقُ حَادِثٌ۔

(۲) اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام دوسرے کی ذات میں پیدا کیا تو وہ اللہ کا کلام نہیں ہوگا بلکہ اسی دوسرے کا کلام ہوگا۔

(۳) اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام مستقلاً پیدا فرمایا۔ بلا کسی ذات کے اور ذات سے علیحدہ قائم بنفسہ ہے تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ جس طرح ارادہ بلا مرید اور علم بلا عالم نہیں ہوتا ایسے ہی کلام بھی بلا متکلم نہیں ہوتا۔ اور متکلم کے بغیر قائم بنفسہ کلام سمجھا بھی نہیں جا سکتا بلکہ متکلم جب تکلم کرے گا تب سمجھا جائیگا۔

ان تینوں طریقوں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے کیونکہ وہ اللہ کی صفت ہے۔ وَالصِّفَاتُ لَيْسَتْ بِمَخْلُوقَةٍ۔

قرآن کریم کلام الٰہی ہے کیونکہ قرآن کا فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہونا اس کا متعدد مقامات پر اپنا مثل لانے کا چیلنج کرنا۔ اور دنیا کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کا اس کا مثل بلکہ ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز رہنا۔ اور کلام الٰہی کا انکار کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام بشر نہیں کلام الٰہی ہے۔ خود باری تعالیٰ نے اس کو اپنا کلام فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (توبہ) اور اگر مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ لے تو اس کو پناہ دیدے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دے۔ اس لئے اگر کوئی شخص قرآن کریم کو بشر کا کلام کہتا ہے تو وہ کافر ہے۔

(۳۲) وَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِي الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ فَمَنْ اَبْصَرَ هٰذَا فَقَدِ اعْتَبَرَ. وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ اِنْزَجَرَ وَعَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بِصِفَاتِهٖ لَيْسَ كَالْبَشَرِ. (۳۳) وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ اِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهٖ كِتَابُ رَبِّنَا. وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ.

ترجمہ: (۳۲) اور جس نے اللہ تعالیٰ کو انسان کی کسی صفات کے ساتھ متصف کیا۔ تو وہ کافر ہے۔ پس جس نے اس کو بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا اس نے عبرت حاصل کی اور کفار کی طرح کہنے (ان کے اقوال و نظریات) سے رک گیا۔ اور وہ اس حقیقت کو جان گیا۔ کہ اللہ کی صفات انسان کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتی ہیں۔ (۳۳) اہل جنت کا اپنے پروردگار کو دیکھنا برحق ہے لیکن یہ رویت بغیر کسی احاطہ اور کیفیت کے ہوگی۔ جیسا کہ اس پر ہمارے رب کی کتاب (قرآن) ناطق ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ. بہت سے چہرے اس روز تر و تازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھتے ہونگے۔

توضیح انزجر باب افتعال رک جانا۔ وجوہ جمع وجہ چہرہ مناضرۃ باب نصر سے اسم فاعل۔ تروتازہ خوبصورت۔

تشریح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ اس کے کوئی شی مشابہ نہیں (نہ ذات میں نہ صفات میں) اس لئے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی صفت انسانی کے ساتھ متصف کرے یا اس کی کسی صفت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔

فمن ابصر: کافر کہتے ہیں اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یہ قرآن انسان کا کلام ہے۔ یہود کہتے تھے۔ لَا نُؤْمِنُ بِهَا حَتّٰى نَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ بِاٰذَانِنَا۔ ہم اس کو نہیں مانیں گے جب تک کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے نہ سن لیں۔ اور جب سن لیا تو کہنے لگے۔ لَا نُؤْمِنُ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ ہم تجھ کو نہیں مانتے جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ اور اس طرح کی باتیں یہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی صفات کو اپنی صفات کی طرح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ان کانوں سے ہم مخلوق کے کلام کو سن سکتے ہیں۔ اور ان آنکھوں سے تمام چیزوں کو دیکھتے ہیں تو اللہ کے کلام کو کیوں نہیں سن سکتے اور اس کی ذات کو کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام قیاس آرائیوں کو فاسد قرار دیا ہے۔ اور ان کی مکمل تردید کی ہے۔ حتی کہ اس طرح کہنے والے کو عذاب کی دھمکی دی ہے۔ تو جو آدمی کافروں جیسی بات کہنے اور ان کے نظریات وخیالات سے رک گیا۔ اور بصیرت کی نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھا تو وہ محفوظ رہا۔

(۴۴) اس دنیا میں دیدار الٰہی شرعاً وعقلاً دونوں طرح ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات موجود ہے اور جو چیز موجود ہوتی ہے اس سے رویت متعلق ہوتی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ موسیٰؑ نے سوال کیا تھا۔ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں دیکھوں تجھ کو۔ اگر دیکھنا ممکن نہ ہوتا تو موسیٰ کی طرف سے ایک محال شی کا مطالبہ لازم آئے گا یا جہل لازم آئے گا کہ موسیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ

اللہ کی ذات کے بارے میں کیا مطالبہ جائز ہے کیا نا جائز۔

لیکن اس امکان کے باوجود اس دنیا میں اللہ کی زیارت اور اس کی ذات کا مشاہدہ کسی کو بھی نہیں ہوگا کیونکہ انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رویت کو برداشت کر سکے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے فرمایا لَنْ تَرَانِیْ تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی تو موسیٰؑ تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کا دیدار اور اس کی زیارت ہوگی اور قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ خود قرآن کریم کی آیت متن میں موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام کا مجمع تھا آپ ﷺ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح عیاناً دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ وجہ اس کی یہی ہے۔ کہ آخرت میں انسان اور اس کی نظر میں قوت پیدا کر دی جائے گی جس کی وجہ سے رویت و زیارت ہو سکے گی۔ اور انسان اور اسکی نظر رویت باری کو تحمل کر لے گی۔ مگر انسان کی نگاہ اسکی ذات کا احاطہ نہیں کر سکے گی کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسان کی نظر محدود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی در حقیقت عالم آخرت ہی کی زیارت ہے جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے۔ آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے۔ وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جا سکتا۔

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت اور زیارت سے مشرف نہ ہونگے۔ ارشاد باری ہے۔ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ۔ یعنی کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محروم ہونگے۔

اس میں معتزلہ کا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ رویت کیلئے یہ شرط ہے کہ مرئی کسی مکان اور کسی جہت میں ہو۔ اور رائی کے مقابل اس طور پر ہو کہ نہ بالکل قریب ہو نہ

بہت دور اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سب شرطیں مفقود ہیں اس لئے رویت محال ہے۔ لیکن یہ بات دو وجہ سے تسلیم نہیں۔ (۱) ہم رات دن بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو نہایت قریب ہوتی ہیں اور بہت سی ایسی چیزوں کا دیدار کرتے ہیں جو نہایت دور ہیں۔ جیسے بالکل قریب رکھی ہوئی چیز آسمان سورج چاند ستارے وغیرہ۔ (۲) رویت کے یہ اسباب عادیہ ہیں۔ یعنی ان اسباب کے بعد اللہ تعالیٰ رویت کو پیدا فرمادیتا ہے۔ لیکن رویت ان اسباب پر موقوف نہیں وہ ان اسباب کے بغیر بھی رویت پیدا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ جس طرح سامنے سے دیکھ لیا کرتے تھے پیچھے کی جانب سے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۳۴) وَتَفْسِيْرُهٗ عَلٰى مَا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلِمَهٗ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَعْنَاهُ عَلٰى مَا اَرَادَ وَلَانَدْخُلُ فِيْ ذٰلِكَ مُتَاَوِّلِيْنَ بِاٰرَائِنَا وَلَا مُتَوَهِّمِيْنَ بِاَهْوَائِنَا فَاِنَّهٗ مَا سَلِمَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَّ عِلْمَ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ اِلٰى عَالِمِهٖ۔

ترجمہ: اور اس (آیت مذکورہ) کی تفسیر وہی قابل قبول ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی منشاء اور علم کے مطابق ہوگی۔ اور ہر وہ حدیث صحیح معتبر ہوگی جو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ پس وہ ایسے ہی ہے جیسے آپؐ نے فرمایا۔ اور اس کے وہی معنی ہیں جو آپ کی مراد ہے۔ اور ہم اس کی تفسیر میں اپنی رائے کی تاویل اور نفسانی خواہش کے وہم کو فوقیت نہیں دیں گے۔ (اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ) کوئی اپنے دین میں محفوظ نہیں مگر وہی شخص جو اپنے آپ کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد کردے اور جس مسئلہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے اس کی وضاحت کے لئے کسی عالم کی طرف رجوع کرے۔

توضیح

تفسیر: باب تفعیل۔ وضاحت کرنا، پردہ ہٹانا۔ متاؤلین باب تفعل سے اسم فاعل کلام کی تفسیر کرنے والا۔ تفسیر و تاویل میں فرق یہ ہے کہ تفسیر کے معنی ہیں مراد خداوندی کو واضح کرنا۔ اور اس کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ لفظ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجاز متعارف اس سے خروج نہ ہو۔ دوم اس معنی کو شاہدان وحی (حضرات صحابہ) کے قول سے صحیح کرنا سوم نصوص شرعیہ ظاہرہ کے اس معنی کا خلاف نہ ہونا اگر یہ تینوں چیزیں ہوں تو تفسیر تفسیر ہے ورنہ ایک فوت ہو جائے تو تاویل قریب ہے۔ دو فوت ہو جائیں تو تاویل بعید ہے۔ اور تینوں فوت ہو جائیں تو تحریف ہے۔ تفسیر عزیزی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ملفوظات فقیہ الامت اول صفحہ نمبر ۲۰۔ متوھمین باب تفعل سے اسم فاعل خیال وگمان کرنے والا۔ اھواء: ھوی کی جمع ہے خواہش۔

تشریح

متن میں ذکر کی گئی ایک آیت کے بارے میں کتاب و سنت نے جو تصریح کر دی ہے اور اس کی روشنی میں سلف صالحین نے جو اس کی مراد کو سمجھا ہے اسی کی اطاعت واجب ہے۔ اسی پر سلف و خلف کا اجماع ہے۔ آیت کے مفہوم و مراد اور مصداق کو متعین کرنے کے بارے میں جو احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ وہ حق ہیں اس میں ہم اپنی طرف سے غلو کرنے والوں کی تحریفات۔ جاہلوں کی تاویلات فاسدہ باطل پرستوں کی حیلہ سازیوں کی طرح کوئی من مانی تاویل اور دخل اندازی نہیں کریں گے۔ جس طرح معتزلہ نے من مانی تاویل فاسد کرکے کلام الٰہی اور کلام رسول میں تحریف کی ہے۔

الا من سلم: یعنی دین کی سلامتی اور حفاظت کا واحد طریقہ یہی ہے کہ حکم ربی اور فرمان رسالت کے سامنے بغیر کسی چوں چراں سر تسلیم خم کر دے اور نامعلوم چیزوں کے بارے میں اصحاب علم کی طرف رجوع کرے جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے بندوں سے مخفی رکھا ہے جیسے متشابہات وغیرہ جس میں رویت باری کا مسئلہ بھی ہے۔ ان کی تحقیق کے پیچھے نہ پڑے قرآن و حدیث میں جتنا بیان کر دیا گیا اسی پر اکتفا کرے۔ ان میں

تاویلات فاسدہ کرکے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو۔ اور اپنا دین خراب نہ کرے۔ رؤیت کے بارے میں اتنا ثابت ہے کہ رؤیت باری ہوگی۔ بس دین و ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حق جانے باقی رؤیت کی کیفیت کیا ہوگی اس کی کوئی تفصیل قرآن و سنت میں بیان نہیں کی گئی۔ اسلئے اس میں توقف کرے۔ اور اسکو اللہ کے حوالہ کردے۔ ارشاد باری ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (شعراء) یعنی وہ شخص اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کرلیتا ہے جس کو اللہ نے قلب سلیم عطا کیا ہو۔ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (نحل) اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہیں۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ (اسراء) اس چیز کے پیچھے نہ پڑیے جسکا تجھے علم نہ ہو۔

(۳۵) وَلَا يَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلٰى ظَهْرِ التَّسْلِيْمِ وَالْاِسْتِسْلَامِ لِمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُجِزَ عَنْهُ عِلْمُهٗ وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيْمِ فَهْمُهٗ حَجَبَهٗ مَرَامُهٗ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيْدِ وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيْحِ الْإِيْمَانِ.

ترجمہ: اور اسلام ثابت قدم نہیں رہ سکتا مگر تسلیم و انقیاد کی پشت پر۔ پس جس نے ان چیزوں کو جاننا چاہا۔ جن سے اس کی جانکاری کو منع کردیا اور اس کی فہم نے اطاعت پر قناعت نہیں کی تو اس کا یہ مقصد اس کو خالص توحید۔ معرفت دین اور صحیح ایمان سے محروم کردے گا۔

توضیح: تسلیم مصدر باب تفعیل۔ سپرد کرنا۔ استسلام باب استفعال کا مصدر ہے۔ رام باب ن ارادہ کرنا۔ حجز ماضی مجہول باب ن، ض منع کرنا۔ مرام مقصد۔ علمُہٗ حجز کا نائب فاعل فہمُہٗ لم یقنع کا فاعل۔ مرامُہٗ حجب کا فاعل ہے۔

تشریح: دین الٰہی کے اصولوں کو کتاب و سنت کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور کتاب اللہ کی تفسیر وہی معتبر ہوگی۔ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہ سے بیان فرمائی۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا، جس کو صحابہ نے نبی کی زبان سے سنا اور سمجھا۔ محض فہم اور محض رائے سے اس کی تفسیر قابل اعتبار نہ ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی بنیاد عقل و فہم پر نہیں بلکہ نقل من اللہ پر ہے اسی وجہ سے انبیاء و رسل کا سلسلہ شروع کیا گیا آسمانی کتابیں نازل کی گئیں بذریعہ وحی ان کی تفسیر کی گئی۔ امت کی اصلاح کے لئے وارثین انبیاء علماء و مجددین ملت کا انتظام کیا گیا۔

مصنفؒ نے اسی بات کو حسی طور پر سمجھایا ہے کہ جس طرح پاؤں کے قرار کے لئے کسی شئی کی پشت کا ہونا ضروری ہے اسلام کی بقا کیلئے بھی ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ اور احادیث رسولؐ کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔ کتاب و سنت سے جو ثابت ہو بلا اعتراض اس کو تسلیم کرے۔ محض اپنی رائے اور قیاس کے ذریعہ اس سے معارضہ نہ کرے۔

امام بخاریؒ نے امام زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کام رسول بھیجنا، رسول کا کام تبلیغ کرنا اور ہمارا کام ماننا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران) دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے۔ اور اسلام نام ہے ماننے، تسلیم کرنے اور تفویض یعنی تمام امور میں احکام خداوندی کی پابندی کا۔ ارشاد باری ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ) اس وقت کو یاد کرو جب کہا اس کو اس کے رب نے حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں رب العلمین کا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں پہلا حکم بردار ہوں۔

اس لئے قرآن کریم میں تفسیر بالرائے خسران کا باعث ہے۔ اور کسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں ہے۔ وفی روایۃ بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ جس شخص نے بلا علم اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ کتاب و سنت اور سلف کے طریقہ سے ہٹ کر قرآن کی تفسیر کرنا اور دین کو

یعنی ضلالت، گمراہی اور گناہ ہے۔ چاہے اتفاقی طور پر وہ صحیح سمجھ گیا ہو۔ اور جس نے کتاب و سنت کو سامنے رکھا اور انہیں کی روشنی میں صحیح حل تلاش کرنے کی کوشش کی تو اگر خطا پر بھی ہے تو بھی ماجور ہے۔ اور اگر صحیح حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تو دو گنے ثواب کا مستحق ہے۔ (نور الانوار)

(۳۶) فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ وَالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ وَالْإِقْرَارِ وَالْإِنْكَارِ مُوَسْوِسًا تَائِهًا شَاكًّا زَائِغًا لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا وَلَا جَاحِدًا مُكَذِّبًا.

ترجمہ: پھر وہ مذبذب رہتا ہے کفر و ایمان، تصدیق و تکذیب، اور اقرار و انکار کے درمیان اس کی حالت ہمیشہ وسوسوں میں جکڑا شخص اور شکی الطبع انسان کی سی ہو جاتی ہے۔ نہ وہ تصدیق کرنے والا مومن رہتا ہے نہ تکذیب کرنے والا منکر۔

توضیح: موسوس: اسم فاعل، وسوسہ پیدا کرنے والا۔ تائها: اسم فاعل۔ باب ض تَاہَ یَتِیْہُ تَیْہاً۔ حیران ہونا۔

تشریح: امور دینیہ میں محض تخیل، عقل و تاویلات فاسدہ دوسرے زائغ کی عادت توحید و معرفت اور اصل ایمان سے محروم کر کے۔ شکوک و شبہات کے گرداب میں پھانس دیتی ہے، اور ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے کہ اس کا ایمان و کفر اقرار و انکار اور تصدیق و تکذیب بھی تردد ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے نہ وہ مومن مصدق (اصلی مومن) ہی کہلاتا ہے کیونکہ شبہات نے اس کو مغلوب کر لیا ہے، اور نہ جاحد و مکذب (کھلا کافر) ہی کہلاتا ہے۔ کیونکہ اقرار مقرر ہے اس لئے واضح شرعی دلائل سے اعراض کر کے فلسفیانہ تحقیق و تدقیق کے درپے ہونا ضلال و اضلال ہے۔

(۳۷) وَلَا يَصِحُّ الْإِيْمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لِمَنِ اعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ إِذْ كَانَ تَأْوِيْلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيْلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الرُّبُوْبِيَّةِ لَا يَصِحُّ فَلَا يَصِحُّ الْإِيْمَانُ بِالرُّؤْيَةِ إِلَّا بِتَرْكِ التَّأْوِيْلِ وَلُزُوْمِ التَّسْلِيْمِ وَعَلَيْهِ دِيْنُ الْمُرْسَلِيْنَ.

ترجمہ: اہل جنت کے نزدیک رویت پر اس شخص کا ایمان صحیح نہ ہوگا جس نے رویت کو وہم سے اعتبار کیا یا فہم و عقل سے اس کی تاویل کی۔ اس لئے کہ رویت کی تاویل (اپنی رائے سے) اور ہر اس صفت کی تاویل جو ربوبیت کی طرف منسوب ہے (یعنی اس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے) صحیح نہیں۔ پس اس کا رویت پر (بے وہم و تاویل کا) ایمان بغیر تاویل چھوڑے اور بغیر تسلیم و اطاعت کے صحیح نہیں۔ اسی پر رسولوں کے دین کی بنیاد ہے۔

تشریح: ارشاد باری ہے۔ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ۔ (آل عمران) اس میں (قرآن میں) بعض آیتیں محکم ہیں۔ (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں۔ دوسری آیتیں متشابہات ہیں۔ (جن کے معنی معلوم نہیں یا متعین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ گمراہی پھیلانے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

رویت باری کا مسئلہ بھی چونکہ متشابہات میں سے ہے۔ اس لئے یہاں مصنفؒ معتزلہ اور مشبہ وغیرہ کی تردید کرتے ہیں۔ کہ معتزلہ رویت کی بالکلیہ نفی کرتے ہیں۔ اور مشبہ کہتے ہیں کہ رویت باری فلاں فلاں کیفیت پر ہوگی۔ جبکہ اہل سنت والجماعت رویت باری کو ثابت مانتے ہیں کیونکہ وہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ اور اس کی کیفیت کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے کیونکہ نصوص میں اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے اس طرح ان فرق باطلہ نے تاویل فاسد کے ذریعہ متشابہات کی پیروی کر کے طریقہ ضلالت اختیار کیا اور اہل سنت والجماعت نے انبیاء کے دین کو نہایت مضبوطی سے تھاما اور متشابہات میں توقف سے کام لیا۔

دراصل یہ صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی معلمین سے تربیت حاصل کرے

معطلین سے تنزیہ کرانے کا سبق ان کی صحبت میں رہ کر انھیں کے رنگ میں رنگتے۔ مشبہین سے فیض حاصل کرنے کے بعد تجسیم و تشبیہ اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔

(۳۸) وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيْهَ زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيْهَ (۳۹) فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ (۴۰) تَعَالٰى عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَايَاتِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَدَوَاتِ وَلَا تَحْوِيْهِ الْجِهَاتُ السِّتُّ كَسَائِرِ الْمُبْتَدَعَاتِ

ترجمہ: (۳۸) اور جو نفی اور تشبیہ سے پرہیز نہ کر سکا تو وہ (راہ حق سے) پھسل گیا اور تنزیہ تک رسائی نہ کر سکا۔ (۳۹) بے شک ہمارا رب جل وعلا صفت وحدانیت کے ساتھ متصف اور صفات فردانیت کے ساتھ منعوت (متصف) ہے۔ مخلوق میں کوئی اس کا ہم وصف نہیں ہے۔ (۴۰) وہ حدود و قیود اور جسمانی ارکان واعضاء اور آلات واسباب سے بالاتر ہے۔ اور تمام مخلوقات کی طرح جہات ستہ اس کو گھیرے ہوئے نہیں ہیں۔

توضیح: التنزیہ۔ باب تفعیل۔ اللہ تعالیٰ کو صفات بشریہ سے دور رکھنا۔ حدود حد کی جمع ہے۔ جہات ستہ (دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے) غایات غایۃ کی جمع ہے انتہاء۔ ارکان رکن کی جمع ہے۔ وہ چیز جس سے قوت حاصل کی جائے عناصر اربعہ (آگ، ہوا، پانی، مٹی) اعضاء عضو کی جمع ہے۔ بدن کا حصہ۔

تشریح: (۳۸) اس میں فرقہ معطلہ اور مشبہ کی تردید ہے کہ ایک نے صفت باری کا انکار کیا اور دوسرے نے اللہ کو مخلوق کی صفات میں مشابہ قرار دیا۔ اس طرح افراط و تفریط میں پھنس کر دونوں فرقے راہ حق سے پھسل گئے اور تنزیہ تک رسائی نہ کر سکے۔ فرقہ موحدہ یعنی اہل سنت والجماعت نے افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ یعنی صفات باری تعالیٰ کو برحق مانا اور مخلوق کی صفات سے

حشو قرار دیا۔ اس طرح راہ حق پر قائم رہ کر حریم تک رسائی کر گیا۔ فالمُعَطِّلُ يَعْبُدُ عَدَماً وَالْمُشَبِّهُ يَعْبُدُ صَنَماً وَالْمُوَحِّدُ يَعْبُدُ صَمَداً۔

(۳۹) (۱) وحدانیت کا اطلاق ذات کی یکتائی۔ اور فردانیت کا اطلاق صفات کی یکتائی بتانے کے لئے ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے وحدانیت سے اَللّٰهُ أَحَدٌ فردانیت سے اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ اور لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ سے لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہذا بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ کا مطلب ہے کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ اور بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ کا مطلب ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں جو اس کے مساوی ہو۔ (۲) وحدانیت و فردانیت سے معطلہ کی تردید مقصود ہے۔ جو صفات باری کے منکر ہیں۔ اور لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ سے مشبہ کی تردید مقصود ہے جو اللہ کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ تردید اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ کا دین اعتدال پر قائم ہے۔ یعنی اثبات و نفی اور افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ نہ محض اثبات نہ مطلق نفی۔ مثلاً مسئلہ توحید میں ذات باری کا مسئلہ اس میں نہ ذات باری کا انکار ہے نہ ذات کا اثبات بلکہ اللہ کی یکتائی کا اثبات اور متعدد خدا کی نفی ہے۔ اسی طرح صفات کا مسئلہ اس میں بھی اثبات و نفی ہے۔ اثبات تو یہ ہے کہ وہ صفات ازلاً و ابداً اللہ تعالیٰ میں ثابت و موجود ہیں اور نفی یہ ہے کہ اس کی صفات کو مخلوق سے کسی طرح کی مشابہت نہیں ہے۔ اس لئے کہ تعدد تکثر۔ تشابہ۔ مخلوق کی شان ہے۔ اور توحد، احدیت، خالق کی شان ہے چنانچہ مخلوق کا مثل بھی ہے مثال بھی ہے ہمسر بھی ہے۔ شریک بھی ہے۔ خالق کا نہ مثل ہے نہ مثال ہے۔ نہ ہمسر ہے نہ شریک ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ خالق مخلوق کے مثل ہو۔ یا مخلوق میں تو صفات ہوں اور اللہ تعالیٰ صفات سے خالی ہو (نعوذ باللہ) قرآن کریم نے اللہ کی ذات و صفات میں اثبات و نفی کا انداز اختیار کیا ہے۔ ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الخ. (حشر) یہ اثبات صفات کے بارے میں ہے۔ نفی کے بارے میں ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ)

(۳۰) حدود و جہتیں، اور نہایتیں۔ یہ محدود اور اجسام کی خصوصیات ہیں۔ چنانچہ اللہ کے سوا تمام مخلوقات اپنی ذات و صفت اور افعال وغیرہ ہر اعتبار سے محدود ہے۔ ارشاد باری ہے كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (رعد) اس کے پاس ہر چیز کا اندازہ ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (نساء) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ازلاً و ابداً غیر محدود ہے۔ نہ اس کی ابتداء کی حد ہے۔ نہ انتہاء کی نہ اس کی وسعت کی حد ہے۔ نہ احاطہ کرنے کی۔ وہ تمام موجودات کو اپنے فضل سے محیط ہے۔ اور تمام معدومات کو علم و قدرت سے۔ کہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ ہر چیز کا منتہی۔ مرجع۔ اور ٹھکانہ ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (نجم) تیرے رب کی طرف منتہی ہے۔ وَاِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (علق) تیرے رب کی جانب لوٹنا ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (آل عمران) اللہ تمام امور کا مرجع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حدود و غایات سے بالاتر ہے۔ جہات ستہ اس کو محیط نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ اللہ خود ان کا خالق اور ان کو محیط ہے۔ ارشاد باری ہے۔ (۱) هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ ظاہر سے اشارہ ہے کہ اللہ ہر چیز سے اوپر ہے۔ باطن میں اشارہ ہے کہ اس سے نیچے کوئی چیز نہیں اگر عرش سے کوئی چیز گرے تو اسی پر گرے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ فَهُوَ الْفَوْقُ الْمُطْلَقُ وَالدُّوْنُ الْمُطْلَقُ (۲) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ یعنی وہ تمام کائنات سے آگے اور پیچھے ہے۔ (۳) اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ جدھر بھی پھرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ (۴) وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں۔ ذَاتُ اللّٰهِ مَوْصُوْفَةٌ بِالْعِلْمِ غَيْرُ مُدْرَكَةٍ بِالْاِحَاطَةِ وَلَا مَرْئِيَّةٍ بِالْاَبْصَارِ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا وَهِيَ مَوْجُوْدَةٌ بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ حَدٍّ وَلَا اِحَاطَةٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَتَرَاهُ الْعُيُوْنُ فِي الْعُقْبٰى ظَاهِرًا فِيْ مُلْكِهٖ وَقُدْرَتِهٖ وَقَدْ حَجَبَ الْخَلْقَ عَنْ مَعْرِفَةِ كُنْهِ ذَاتِهٖ وَدَلَّهُمْ عَلَيْهِ بِاٰيَاتِهٖ فَالْقُلُوْبُ

تعرفه والعيون لا تدركه فينظر إليه المؤمن بالأبصار من غير إحاطة ولا إدراك نهاية.

اللہ تعالیٰ ارکان و اعضاء اور آلات و اسباب سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ (۱) اعضاء ماہیت کے اجزاء ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ "احد" ہے۔ تجزی نہیں۔ (اجزاء کو قبول نہیں کرتا) (۲) اعضاء میں ترکیب، تفریق و تبعض ہے۔ ہر ایک عضو دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ "احد" ہونے کی وجہ سے تبعض و تفریق و ترکیب سے بری ہے۔ (۳) اعضاء کام میں اسباب و آلات کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات شان صمدیت سے متصف ہے اور کسب و اکتساب سے بالکل بے نیاز ہے۔ اس کے سب کام کن فیکون سے وجود میں آتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ کیلئے ید۔ رجل۔ قدم۔ اصابع۔ انامل۔ عین۔ ساق۔ خاصرہ وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر جس طرح اسکی ذات و صفات انسان جیسی نہیں یہ چیزیں بھی انسانوں کی طرح نہیں۔ بلکہ انکی کیفیت و حقیقت اس کی شایان شان ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ ان اسماء (ید۔ وجہ وغیرہ) کے معانی تو ہمیں معلوم ہیں البتہ ان کی کیفیت نہیں جانتے۔ اسی طرح ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کی کیفیت معلوم کرنا بدعت ہے۔ اس لئے ان کی صحیح کیفیت کو جانا نہیں جا سکتا۔ نہ اپنے علم کے ذریعہ ان کا احاطہ کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اسباب و آلات سے اس لئے بھی بالاتر ہے کہ اس نے کچھ چیزوں کو اسباب کے درجہ میں پیدا فرمایا۔ جو دوسری چیزوں کو وقوع کا سبب ہوتی ہیں اور جس کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اور ضرر سے بچا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نفع و ضرر سے منزہ ہے۔ بلکہ وہ نفع و ضرر کا خالق و مالک ہے۔ اور یہ سب چیزیں اس کے ارادہ اور مشیت کے تحت ہیں۔ اور اس کی محتاج ہیں۔ کون ہستی ہے جو اللہ کے نفع و ضرر پر قادر ہو اور اس کی وجہ سے اسے اسباب اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑے۔ اللہ کی ذات تو سب پر حاوی ہے۔ اور سب چیزوں سے بے نیاز ہے ارشاد باری ہے۔ انّ اللہ

لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔ بلاشبہ اللہ عالمین سے بے نیاز ہے۔ البتہ اسباب و آلات کو اس نے پیدا کیا۔ اور ان کو اپنے افعال کیلئے اپنی حکمت کے تحت استعمال کرتا ہے۔

یہاں فرقہ مجسمہ، مشبہ، اور معطلہ کا رد مقصود ہے۔ مجسمہ کہتے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم اور اعضاء ہیں۔ مشبہ خدا کو انسانی اعضاء کی تشبیہ دیتے ہیں۔ معطلہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے۔ اپنی مخلوقات میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور جہات ستہ میں گھرا ہوا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور بالاتر ہے۔

(۴۱) وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ وَقَدْ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِجَ بِشَخْصِهِ فِي الْيَقَظَةِ إِلَى السَّمَاءِ. ثُمَّ إِلٰى حَيْثُ مَا شَاءَ اللهُ مِنَ الْعُلٰى، وَأَكْرَمَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ تَعَالٰى بِمَا شَاءَ وَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى.

ترجمہ: (۴۱) اور معراج برحق ہے۔ اور نبی پاک کریم ﷺ کو رات میں (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ) تک سیر کرائی۔ اور حالت بیداری میں آپ کے جسم اطہر کو آسمان پر لیجایا گیا (معراج کرائی) پھر بلندیوں پر اس جگہ تک جہاں تک اللہ نے چاہا لیجایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیئہ کے مطابق آپ کو عزت بخشی اور اپنے بندہ (محمد) کی طرف وحی کی۔

تشریح: معراج کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ قرآن و سنت میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ یہاں دو لفظ ہیں۔ (۱) اسراء (۲) معراج۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک جو آپ کو براق پر لیجایا گیا اور آپ نے وہاں انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ اس کو اسراء کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن کریم سے نص قطعی کے طور پر ہے۔ جس کا منکر کافر ہے۔

مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک پھر آسمانوں سے جنت اور عرش تک کی سیر کو معراج

کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت مشہور احادیث سے ہے۔ اس کا منکر فاسق ومبتدع ہے۔ معراج چونکہ آپ کا معجزہ ہے اس لئے آپ کو یہ معراج بحالت بیداری جسمانی طور پر کرائی گئی کیونکہ خواب یا روحانی طور پر معراج کا ہونا غیر نبی کے لئے بھی ممکن ہے۔ ارشاد باری ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (بنی اسرائیل) پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ بِعَبْدِہٖ سے معراج جسمانی کی جانب اشارہ ہے۔ ورنہ تو یوں کہا جاتا۔ اَسْرٰی بِرُوْحِہٖ. اَوْ ذَھَبَ بِرُوْحِہٖ. فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی (نجم) پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا۔ یہ آیت بھی معراج جسمانی کی واضح دلیل ہے۔

(۴۲) وَالْحَوْضُ الَّذِیْ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ غِیَاثًا لِاُمَّتِہٖ حَقٌّ.
(۴۳) وَالشَّفَاعَۃُ الَّتِیْ ادَّخَرَھَا لَھُمْ حَقٌّ کَمَا رُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ.
(۴۴) وَالْمِیْثَاقُ الَّذِیْ اَخَذَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ اٰدَمَ وَذُرِّیَّتِہٖ حَقٌّ.

ترجمہ: (۴۲) اور حوض کوثر حق ہے جس کی وجہ سے اللہ نے آپ کو اعزاز بخشا آپکی امت کی سیرابی کا ذریعہ بنا کر۔ (۴۳) اور شفاعت بھی برحق ہے آپ نے لوگوں کیلئے اسکو ذخیرہ بنا کر رکھا ہے۔ (۴۴) اور میثاق بھی برحق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آدم اور اولاد آدم سے لیا۔ کما فی الاحادیث۔

تشریح: (۴۲) حشر کے دن اللہ کی طرف سے ہر نبی کو ایک حوض عطا ہوگا جس سے وہ اپنی امت کو سیراب کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی ایک حوض عطا کیا جائے گا۔ جس کو قرآن مجید میں کوثر کہا گیا ہے۔ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے حوض کوثر اسی کی شاخ ہے۔ یہ حوض آپ کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ جو

اس قدر طویل و عریض ہوگا کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچنے میں ایک مہینے کی مسافت درکار ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ اچھی ہوگی۔ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح حسین و چمکدار اور بے شمار ہوں گے۔ (عمدۃ المفید ص ۶۳)

حوض کوثر کے بارے میں روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ تیس سے زائد صحابہ اس کے راوی ہیں۔

(۴۳) حشر کے دن شفاعت کی مختلف نوعیتیں ہوں گی۔ بعض تو آپ ہی کے ساتھ خاص ہوں گی بعض شفاعتوں کا حق دوسروں (انبیاء۔ ملائکہ۔ علماء۔ شہداء۔ صلحاء۔ حفاظ وغیرہ مؤمنوں) کو بھی ملے گا جس تفصیل یہ ہے۔

(۱) حشر کی شدت سے بچانے۔ اور حساب و کتاب شروع کرانے کیلئے آپ ﷺ تمام مخلوق کے حق میں سفارش فرمائیں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ کہلاتی ہے۔

(۲) ایک طبقہ کو بلا حساب و کتاب۔ (۳) جن لوگوں کی گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی۔ (۴) اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ جنت میں داخل کرانے کی آپ سفارش فرمائیں گے۔ (۵) کچھ لوگوں کے درجات اور اعزاز و اکرام میں اضافہ کی بھی آپ سفارش فرمائیں گے اس سفارش کا معتزلہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ (۶) جہنم میں چلے گئے مسلمانوں کو نکال کر جنت میں داخل کیے جانے کی سفارش فرمائیں گے۔ یہ شفاعت مشترک ہوگی۔ انبیاء ملائکہ علماء مؤمنین بھی اپنے اپنے طور پر لوگوں کی سفارش کریں گے۔ معتزلہ و خوارج اس کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے بارے میں حدیث ہے۔ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ میری سفارش امت کے اہل کبائر کے لئے بھی ہوگی۔ (۷) دائمی جہنمی کے عذاب میں تخفیف کے لئے جیسے ابو طالب۔ (۸) صرف اہل مدینہ کے لئے۔ (۹) صرف روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے کیلئے۔ (۱۰) اہل جنت کو جنت میں داخلہ کی اجازت کے لئے۔

شفاعت کی اجازت عام نہیں ہوگی بلکہ شفاعت کی اجازت خاص خاص لوگوں

کو بھی نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ ذی الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (بقرہ) کون ہے جو سفارش کرے گا اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر۔

(۴۴) قرآن و حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام روحوں کو چھوٹے اجسام کی شکل میں پیدا فرمایا۔ اور انکو عقل و شعور بخشا اور ان سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ اس طرح اللہ نے فطری طور پر فرد بشر کی طبیعت میں اپنی ربوبیت کی تخم ریزی فرمائی۔ اور اس کی یاد دہانی کے لئے عقل سلیم۔ وحی والہام اور آسمانی مذاہب کو اسکی بنیاد بنایا۔ ہر مذہب کی ساری عمارت اسی اعتقاد و اقرار پر کھڑی ہوتی ہے۔ اسی فطری تخم ریزی کا اثر ہے کہ ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک ہر مکتب فکر کے انسان کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر اتفاق و اجماع ہے۔ ورنہ فکر و استدلال کے ذریعہ ایسا اتفاق پیدا کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ مصنفؒ نے میثاق کے ذریعہ ارشاد باری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (اعراف) اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے بنی آدم سے ان کی پشت سے انکی اولاد کو پیدا کرکے عہد لیا۔ اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں۔ بولے ہاں۔

(٤٥) وَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ وَيَدْخُلُ النَّارَ جُمْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا يُزَادُ فِيْ ذٰلِكَ الْعَدَدِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ۔ (٤٦) وَكَذٰلِكَ اَفْعَالُهُمْ فِيْمَا عَلِمَ مِنْهُمْ اَنْ يَّفْعَلُوْهُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ وَالْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو ایک دم ازل سے ان لوگوں کی تعداد معلوم ہے جو جنت میں جائیں گے اور ان لوگوں کی تعداد جو جہنم میں جائیں گے۔ پس اس تعداد میں نہ کوئی اضافہ ہوگا نہ کمی ایسے ہی لوگوں کے وہ اعمال اللہ کے علم میں ہیں جو

انہیں مستقبل میں انجام دیتے ہیں۔ اور ہر آدمی کو وہی کام میسر آتا ہے جسکے واسطے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اعمال خاتمہ کے اعتبار سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور نیک بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلے سے نیک بخت ہے اور بد بخت وہی ہے جو اللہ کے فیصلے کے مطابق بد بخت ہے۔

تشریح: (۳۵) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے۔ اس کو ازل سے معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی۔ ان کی تعداد کا علم بھی اس کو ازل ہی سے ہے۔ اس عدد میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (کہف) ایک فریق جنت اور ایک جہنم میں ہوگا۔ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (جن) اور گن لی اس نے ہر چیز کی گنتی۔ جس میں جنتیوں اور جہنیوں کی تعداد بھی شامل ہے۔

(۳۶) اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے تمام بندوں کے اعمال کی بھی خبر ہے کہ کون کیا عمل کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم تقدیر پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔ عمل کرو پس تم میں سے ہر ایک کو وہی کام میسر آئے گا اور اسی کی توفیق ملے گی جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ اہل سعادت میں سے ہے تو ایسے اعمال کی توفیق ملے گی۔ اور اسی حالت پر خاتمہ ہوگا۔ اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اہل شقاوت میں سے ہے تو ایسے ہی اعمال اس سے سرزد ہوتے رہیں گے۔ اور اسی حالت پر انتقال ہوگا۔ یہاں تک کہ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرَىٰ (لیل) سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو تو ہم اس کو سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پرواہ رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو ہم اس کو سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (آل عمران) یعنی جو لوگ کافر تھے

اور کفر پر انہیں موت آئی تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت میں "وھم کفار" کا لفظ بتارہا ہے کہ آدمی کی آخری حالت کا اعتبار ہے۔ حدیث میں ہے۔ اِنَّما الاَعْمَالُ بالخَوَاتِیْم۔ یعنی اگر تمام عمر کافر رہا اور خاتمہ ایمان پر ہوا تو وہ مؤمن شمار ہوگا۔ اور اس کا حشر مؤمنوں ہی میں ہوگا اور اگر پوری زندگی مسلمان رہا اور خدانخواستہ مرتد ہوگیا تو وہ کافر شمار ہوگا۔ اور کافروں ہی میں اس کا حشر ہوگا۔ یہ سب پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ سعادت وشقاوت سب اللہ کے فیصلہ ازلی کے مطابق ہے۔ جس کے لئے سعادت کا فیصلہ ہے تو وہ اس پر اس کا فضل ہے۔ اور جسکے لئے شقاوت کا فیصلہ ہے یہ اس پر اس کا عدل ہے۔

مگر چونکہ بندے سے تقدیر کو اوجھل کردیا گیا ہے اور بندہ اس کو جاننے کا نہ مکلف ہے۔ نہ جاننے کی طاقت رکھتا ہے اس لئے اس کو اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ ہوگا وہی جو فیصلہ قدرت ہو چکا ہے۔

(٤٧) وَاَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللّٰهِ فِي خَلْقِهِ لَمْ يَطَّلِعْ عَلٰى ذٰلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ. وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِي ذٰلِكَ ذَرِيْعَةُ الْخُذْلَانِ، وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَدَرَجَةُ الطُّغْيَانِ، فالحذر كُلَّ الحذر من ذالك نظراً وفكراً ووسوسة فَإِنَّ اللهَ طَوىٰ عِلْمَ الْقَدْرِ عَنْ اَنَامِهِ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهِ كَمَا قَالَ تَعَالىٰ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ. فَمَنْ سَاَلَ لِمَ فَعَلَ فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: (۴۷) اور تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ایک راز ہے۔ اس کی مخلوق میں اس سے مقرب فرشتہ آگاہ ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ اس میں غور وفکر رسوائی کا ذریعہ۔ محرومی کا زینہ۔ اور سرکشی کا راستہ ہے۔ پس تقدیر کے مسئلہ میں غور وفکر اور وسوسے سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم اپنی

مخلوق سے چھپا دیا ہے اور ان کو اس کی طلب سے روک دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی اور لوگوں سے ان کے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ پس جس نے یہ پوچھا کہ اللہ نے یہ کام کیوں کیا۔ تو اس نے قرآن کریم کے حکم (لا یسئل الخ) کو مسترد کر دیا اور جس نے کتاب اللہ کے حکم کو مسترد کر دیا وہ زمرہ کفار میں شامل ہوگیا۔

توضیح: ذریعۃ۔ وسیلہ۔ سلّم زینہ۔ خذلان۔ حرمان۔ طغیان سب متقارب المعنیٰ ہیں۔ البتہ خذلان۔ نصرت۔ حرمان۔ ظفر۔ اور طغیان۔ استقامت کا مقابل ہے۔ فالحذر الخ میں۔ الحذر احذر محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ کل الحذر تاکید کے لئے ہے۔ نظرا و فکرا و وسوسۃ تمیز ہے۔ ابہام نسبت کو دور کرنے کے لئے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اذا کان الامر کذلک فاحذر حذرا کل الحذر۔

تشریح: (ص ۳) تقدیر کا مسئلہ نہایت اہم اور دین کے مضبوط عقائد میں سے ہے۔ نفس تقدیر اگرچہ عقل و فہم سے باہر نہیں۔ لیکن اصل تقدیر کا ادراک عقل و فہم سے نہیں ہو سکتا یہ اسرار خداوندی ہے جسکے علم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو بھی دور رکھا ہے۔ اس کی حکمت و مصلحت بھی وہی جانتا ہے۔ اس کی جستجو میں بلا وجہ فکر کے عقلی گھوڑے دوڑانا لاحاصل اور گمراہی کا باعث ہے۔ ہر چیز کا تعلق قضا و قدر سے ہے۔ کافر کا کفر، مومن کا ایمان وغیرہ ہر چیز اسی کی مشیت اور قضا و قدر سے ہوتی ہے۔ لیکن وہ کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے۔ اس کی مشیت کفر حکمت تکوینی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور عدم رضا امر دینی کی وجہ سے۔ بہر حال تقدیر کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے وہ ہدایت پر ہے اور جو اس کی تحقیق میں پڑے اور سوالات کا سلسلہ رکھے تو وہ گمراہی اور کفر کی حد میں داخل ہے۔ کیونکہ عبدیت اور عبودیت اور ایمان کی بنیاد تسلیم و اطاعت پر ہے اور اس کی خلاف ورزی کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور مقرب فرشتے بھی گھٹنے ٹیک دیتے

ہیں۔ اور تسلیم واطاعت اختیار کرتے ہیں اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضور علیہ السلام کو عالم غیب مانتے ہیں۔

(۴۷) فَهٰذِهٖ جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهٗ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ لِأَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ. فَإِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ كُفْرٌ وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ كُفْرٌ وَلَا يَصِحُّ الْإِيْمَانُ إِلَّا بِقَبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ.

ترجمہ: (۴۷) پس (منزل من اللہ) یہ تمام باتیں وہ ہیں جن کو اولیاء اللہ میں سے ہر وہ شخص تسلیم کرتا ہے۔ جس کا دل منور ہے اور یہ مقام راسخین فی العلم کو نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ علم دو ہیں (۱) وہ علم جو مخلوق میں موجود ہے۔ (۲) وہ علم جو مخلوق میں مفقود ہے۔ پس موجود علم کا انکار اور مفقود علم کا دعوی دونوں کفر ہیں اور ایمان صحیح نہیں ہوتا مگر موجود علم کو قبول کرنے۔ اور مفقود علم کی طلب ترک کرنے سے

توضیح: علم موجود۔ وہ علم ہے شریعت کا جو کتاب وسنت میں موجود ہے۔ علم مفقود۔ وہ علم ہے تقدیر الہی کا جسے اللہ نے کائنات سے پوشیدہ رکھا ہے

تشریح: (۴۷) کتاب وسنت میں شرعی احکامات۔ خبریں۔ مثال وواقعات وغیرہ علم موجود کہلاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اس آیت میں اسی علم کی جانب اشارہ ہے۔ اس کے سوا باقی علم مفقود ہے مثلاً روح کی حقیقت کا علم۔ قیامت کے وقوع کا علم۔ غیب کی باتوں کا علم وغیرہ ارشاد باری ہے وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا۔ یعنی تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کب ہوگا قیام اس کا۔ فِيْمَ

أنت من ذكرها تجھ کو کیا کام ہے اس کے ذکر سے۔ إلى ربك منتهاها (النازعات) تیرے رب کی طرف ہے پہنچ اس کی۔ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو (الانعام) غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کے سوا کوئی ان کو نہیں جانتا۔ وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس بأي أرض تموت۔ إن الله عليم خبير (لقمان) اور اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں۔ اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ مصنف نے ہذہ کہہ کر اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ما قبل میں ذکر کی گئی یہ سب باتیں وہ ہیں جن کا ہر مومن محتاج ہیں۔ جن کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا۔ اولیاء اللہ اور راسخین فی العلم سب ان باتوں کے محتاج ہیں اور ان کو مانتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو نہیں جانتے ان کو اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی جستجو میں گمراہی اور انکار موجب کفر ہے۔

(۴۸) ونؤمن باللوح والقلم وبجميع ما قد رقم فلو اجتمع الخلق كلهم على شيء كتبه الله تعالى فيه أنه كائن ليجعلوه غير كائن لم يقدروا عليه ولو اجتمعوا كلهم على ما لم يكتبه الله ليجعلوه كائنا لم يقدروا عليه جف القلم بما هو كائن إلى يوم القيامة.

ترجمہ: (۴۸) اور ہم لوح، قلم اور ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو قلم نے تقدیر میں لکھدی ہیں پس اگر تمام مخلوق مل کر کسی چیز کو جس کے بارے میں اللہ نے لکھدیا کہ وہ ہوگی۔ نہ ہونے دیں تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتی (ناکام رہے گی) اور اگر تمام مخلوق مل کر کسی چیز کو جس کے بارے میں اللہ نے نہیں لکھا کہ وہ ہوگی اس کو ہونے دینا چاہے تو وہ اس کی بھی قدرت نہیں رکھتی۔ قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم بند کر دیا گیا۔

تشریح: (۴۸) اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرما کر قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھوا دیا۔ لوح و قلم میں اللہ نے پہلے کس کو پیدا فرمایا۔ اس میں دونوں قول ہیں۔ اور دونوں قولوں کی تائید روایت سے ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے عرش یعنی لوح محفوظ کو مخلوق اول ثابت کیا۔

احادیث میں چار طرح کے قلم کا ثبوت ملتا ہے۔ (۱) وہ قلم جس نے تمام مخلوقات کو لکھا۔ یعنی سب کچھ لکھا۔ (۲) وہ قلم جس نے بنی آدم کے اعمال ان کی روزی عمر اور ان کی سعادت و شقاوت کو لکھا۔ (۳) جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے تو فرشتہ بحکم خداوندی اس کا رزق عمر عمل اور اس کی سعادت و شقاوت کو لکھ دیتا ہے۔ (۴) جب بندہ بالغ ہو جاتا ہے تو کراماً کاتبین اس کے اعمال لکھتے ہیں۔ ارشاد باری ہے نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ بَلْ ھُوَ قُرْآنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج) کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہوا لوح محفوظ میں۔ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ (رعد) اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَآئِبَۃٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (نمل) اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان میں اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ وَاِنَّا لَہٗ کٰتِبُوْنَ (انبیاء) سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان سو اکارت نہ کریں گے ہم اس کی سعی کو اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ (کراماً کاتبین سے لکھوا لیتے ہیں)

بہر حال لوح محفوظ اور قلم پر ہمارا ایمان ہے۔ اور قلم نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ اور اس پر بھی کہ تمام مخلوق اللہ کے لکھے کو بدلنا چاہے تو نہیں بدل سکتی۔

(۴۹) وَمَا أَخْطَأَ الْعَبْدَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ وَمَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ. (۵۰) وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللهَ تَعَالَى سَبَقَ عِلْمُهُ فِي كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهِ فَقَدَّرَ ذَلِكَ بِمَشِيئَتِهِ تَقْدِيرًا مُحْكَمًا مُبْرَمًا لَيْسَ لَهُ نَاقِضٌ وَلَا مُعَقِّبٌ وَلَا مُزِيلٌ وَلَا مُغَيِّرٌ وَلَا مُحَوِّلٌ وَلَا زَائِدٌ وَلَا نَاقِصٌ مِنْ خَلْقِهِ فِي سَمٰوٰتِهِ وَأَرْضِهِ

ترجمہ: (۴۹) اور جو بندے سے خطا کی اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ درست کام کرتا اور جس نے درست کام کیا اس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ خطا کرتا۔ (۵۰) اور بندگان خدا کے لئے لازم ہے کہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے متعلق اللہ کی مشیت کے مطابق محکم اور نہ بدلنے والا فیصلہ کیا ہوتا ہے اللہ کی زمین و آسمان میں مخلوق میں سے اس فیصلہ کو نہ کوئی توڑ سکتا نہ کوئی ملتوی کر سکتا نہ کوئی زائل کر سکتا نہ کوئی بدل سکتا نہ کوئی منتقل کر سکتا نہ اس میں کوئی اضافہ کر سکتا نہ کمی کر سکتا۔

تشریح: (۴۹) بندہ کی خطا اور درستی تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اگر اس کے مقدر میں عمل خطا ہے تو ایسے ہی اسباب ظاہر ہوں گے جس سے وہ خطا کا مرتکب ہو۔ اور اگر تقدیر میں عمل صالح مقدر ہے تو عمل صالح کے اسباب پیدا ہوں گے اس کے برخلاف نہیں ہوگا۔

(۵۰) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی وابدی ہے وہ تخلیق سے پہلے اور تخلیق کے بعد کے تمام احوال سے باخبر ہے جو کائنات میں اب تک ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا یہ سب اس کے علم ازلی میں ہے پھر ان کے پاس ام الکتاب (علم قدیم) میں لکھی ہوئی ہیں۔ ارشاد باری ہے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔ (انعام) اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گرتا ہے اس کو بھی جانتا ہے اور جو دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہوتا ہے اور رطب و یابس چیزیں

سب لوح محفوظ (اللہ کے علم قدیم) میں محفوظ ہیں۔

اس میں ان مشرکین، صابئین اور فلاسفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا ان کے واقع ہونے سے پہلے حالانکہ یہ تقدیر ازلی، اس کے علم محیط کے منافی ہے جو کفر ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تقدیر مبرم۔ (۲) تقدیر معلق۔

(۱) تقدیر مبرم: اللہ تعالیٰ کا محکم نہ بدلنے والا فیصلہ، جس کو مخلوق میں کوئی ٹال نہیں سکتا نہ اس میں کوئی ترمیم و تبدیلی کر سکتا۔ ارشاد باری ہے مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ (فاطر) جو کچھ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جو کچھ روک رکھے تو اس کو کوئی اس کے سوا بھیجنے والا نہیں۔ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ (یونس) اگر پہنچادے تجھ کو اللہ کوئی تکلیف تو اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اور اگر چاہے وہ تیرے ساتھ کوئی بھلائی۔ تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (رعد) اور اللہ فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلہ کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا۔ وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔ (انعام) اللہ کے کلمات (احکام) کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ سب آیتیں تقدیر مبرم کی دلیلیں ہیں۔

(۲) تقدیر معلق: اللہ تعالیٰ کا کسی حکم کو کسی عمل پر معلق کر دینا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کسی شخص کے متعلق لکھ دیا کہ اگر اس نے حج کیا تو اس کی عمر بیس سال ہوگی اور اگر حج نہیں کیا تو اس کی عمر پندرہ سال ہوگی۔ تقدیر کی یہ قسم وہ ہے جس میں شرط کے مطابق کی بنیاد پر تغیر و تبدیلی ہوتی ہے۔ تقدیر کی اسی قسم کے متعلق ارشاد باری ہے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ

"اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اصل کتاب یعنی علم قدیم ہے" (مرقاۃ ج ۱ ص ۳۰۶)

حدیث رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ (مشکوۃ باب البر والصلۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر الٰہی کو تو کوئی بدل سکتا اس میں اس کے سوا کوئی زیادتی کر سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (فاطر) اضافہ کرتا ہے مخلوق میں جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (رعد) "کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم زمین کو چلے آتے ہیں گھٹاتے اس کے کناروں سے"

(۵۱) وَلَا یَكُوْنُ مُكَوَّنٌ اِلَّا بِتَكْوِیْنِهٖ وَالتَّكْوِیْنُ لَا یَكُوْنُ اِلَّا حَسَنًا. (۵۲) وَذٰلِكَ مِنْ عَقْدِ الْاِیْمَانِ وَاُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالْاِعْتِرَافِ بِتَوْحِیْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَرُبُوْبِیَّتِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰی وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا.

ترجمہ: (۵۱) اور کوئی مکون (مخلوق) نہیں ہوتی مگر اس کی تکوین (تخلیق) سے۔ اور تکوین نہیں ہوتی مگر حسن۔ (۵۲) اور ان تمام حقائق کو تسلیم کرنا ایمان کی پختگی۔ معرفت کی بنیاد اور توحید باری اور اس کی ربوبیت کا اعتراف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (فرقان) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا (احزاب) اور خدا کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔

تشریح: (۵۱) اللہ تعالیٰ جیسے اپنی ذات میں یکتا ہے ایسے ہی اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ اور مخلوق جیسے اپنی ذات کے اعتبار سے اس کی تخلیق کی محتاج ہے ایسے اپنی صفات میں بھی۔ اس کی تخلیق کی محتاج ہے، پس مخلوق میں تمام صفات اس کی صفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ بندہ مرحوم اس کی رحمت سے۔ مقدس اس کی تقدیس سے عالم اس کی تعلیم سے گمراہ اس کی تضلیل سے ہدایت یافتہ اس کی صفت

ہدایت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر صفت کا حال ہے۔

(۵۲) شرح عقیدۃ الطحاویہ کے حاشیہ میں معقد کے بجائے معاقد کا لفظ ہے اور دونوں درست ہیں کیونکہ معقد کے معنی پختگی کے ہیں۔ اور عقائد کے ذریعہ ایمان میں پختگی ہوتی ہے ارشاد باری ہے: صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِیْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ (نمل) یہ کاریگری اللہ کی جس نے ہر چیز کو درست کیا بے شک وہ تمہارے افعال سے باخبر ہے۔

مصنفؒ کی مرتب عبارت سے اس جانب اشارہ ہے کہ ایمان میں قوت معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور معرفت کی اساس توحید باری کا اقرار ہے۔ اور توحید کی تکمیل دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ (۱) توحید فی الخلق۔ (۲) توحید فی الامر۔

(۱) توحید فی الخلق: یعنی مخلوق کی ذات وصفات کا خالق۔ مکوّن۔ رب۔ نافع۔ ضار۔ مقدم وغیرہ صرف اللہ کو جانے۔ (۲) توحید فی الامر: شارع اور حاکم صرف اللہ کو مانے۔ تمام امور میں اسی کی حکومت کو تسلیم کرے۔

توحید کی یہ دونوں قسمیں تقدیر کے اقرار اور ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے سے مکمل ہوتی ہیں۔ یعنی اس بات کا اقرار کرے کہ تقدیر بنانے والا صرف اللہ ہے اور اسی نے ہر چیز کو مقدر کر دیا۔ مخلوق میں تصرف یا کسی حکم کا نازل کرنا اسی تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ متن میں ذکر کردہ دونوں ٹکڑوں میں توحید کی ان دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

> **(۵۳) فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ لِلّٰهِ فِي الْقَدَرِ خَصِيْمًا وَأَحْضَرَ لِلنَّظَرِ فِيْهِ قَلْبًا سَقِيْمًا لَقَدِ الْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِيْ فَحْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَتِيْمًا وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ أَفَّاكًا أَثِيْمًا۔ (۵۴) وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ كَمَا بَيَّنَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهُ مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَفَوْقَهُ وَقَدْ عَجَزَ عَنِ الْإِحَاطَةِ خَلْقُهُ۔**

ترجمہ: (۵۳) پس ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو تقدیر کے مسائل میں

جھگڑالو بنا اور بیمار دل کے ساتھ اس میں غور و فکر کی یقیناً اس نے اپنے وہم و گمان کے مطابق غیب کی جستجو میں چھپے ہوئے رازہائے قدر و تقدیر کی (بے فائدہ لاحاصل) تلاش کی۔ اور تقدیر کے مسائل کو بیان کرنے میں کذاب اور افترا پرداز بن گیا۔ (۵۳) اور عرش و کرسی برحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور وہ عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔ ہر چیز کو محیط ہے۔ ہر چیز پر غلبہ و فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

تشریح: روحانی طور پر اگر دل ایمان اور نور ہدایت سے مجلّیٰ ہے تو وہ قلب سلیم اور زندہ دل کہلاتا ہے۔ اور وہ باطل اور بری چیزوں سے نفرت کرتا ہے۔ ان کی طرف التفات نہیں کرتا۔ اور اگر کفر و شرک کی گرداب میں پھنس جاتا ہے تو اس کو مردہ قلب کہتے ہیں اور اگر وہ بری چیزوں سے نفرت نہیں کرتا بلکہ انہیں قبول کرتا ہے تو وہ دل بیمار کہلاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس میں ایسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اچھے برے اور معروف و منکر میں فرق نہیں کر پاتا اور یہ کمزوری جس قدر بڑھتی جاتی ہے اس کا معیار تفریق تنزل کر جاتا ہے۔

قلب کا مرض دو طرح کا ہوتا ہے (۱) مرض علمی یعنی مرض شبہات۔ (۲) مرض عملی یعنی مرض شہوات۔ ان دونوں میں زیادہ مضر مرض شبہات ہے۔ اور اس میں بھی تقدیر کے مسئلہ میں شبہ کرنا زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ تقدیر کے مسئلہ میں سکوت تسلیم و انقیاد۔ سلامت قلب اور زندہ دلی ہے۔ اور اس میں اٹاپ شناپ تفکر خیال آرائی لاحاصل جستجو مردہ دلی اور مریض ہونے کی علامت ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔ (انعام) بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اس کے جس کا حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

(۵۴) ارشاد باری ہے وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (بروج) وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا، عرش کا مالک بڑی شان والا۔ معلوم ہوا کہ عرش برحق ہے مگر فلاسفہ اسکا انکار کرتے ہیں۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (بقرہ) اس کی کرسی آسمان وزمین کو وسیع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کرسی بھی برحق ہے۔ کرسی عرش کے لئے زینہ کی طرح ہے۔ جس کے ذریعہ بلند عرش پر چڑھا جاتا ہے۔ (بدایہ والنہایہ)

چونکہ اللہ تعالیٰ عرش وکرسی کا خالق ہے۔ اور خالق مخلوق سے مستغنی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ عرش وکرسی سے بے نیاز ہے۔ البتہ اس نے عرش وکرسی اس لئے پیدا کی تاکہ اس کی شان ملوکیت کا اظہار ہو۔ کیونکہ شاہی لوازمات میں شاہی تخت اور شاہی کرسی ہوتی ہے۔ اسی لئے آیت باری ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ میں اللہ کے عرش پر قیام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اور ایک غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار کی صلاحیت کا حاصل کرنا حق تعالیٰ کے استویٰ علی العرش میں یہ حقیقت یعنی پورا تسلط واقتدار بدرجہ کمال موجود ہے۔ کہ تمام کائنات پر مکمل شاہانہ ومالکانہ تصرف کا حق بے روک ٹوک اس کو حاصل ہے۔ لیکن اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی ظاہری کیفیت کیا ہے۔ تو اس میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا عرش پر قیام اس کی شایان شان ہے۔ مخلوق کی طرح نہیں۔

عرش کی مثال قبہ جیسی ہے جیسے کائنات پر کوئی قبہ ہو وہ اپنے ماتحت کو محیط ہو اللہ تعالیٰ عرش اور عرش کے ماتحت ومافوق کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احاطہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فلک کی طرح ہے۔ اور اس میں مخلوقات داخل ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت۔ وسعت علم قدرت وحفاظت تصرف وتدبیر کے اعتبار سے تمام عالم اس کی مٹھی میں ہے۔ البتہ مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ ارشاد باری ہے، وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ (طٰہٰ) لوگ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

(۵۵) وَنَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَكَلَّمَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا إِيْمَانًا وَّتَصْدِيْقًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (۵۶) وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَنَشْهَدُ أَنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ۔ (۵۷) وَنُسَمِّيْ أَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِيْنَ مُؤْمِنِيْنَ مَا دَامُوْا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَرِفِيْنَ وَلَهُ بِكُلِّ مَا قَالَهُ وَأَخْبَرَ مُصَدِّقِيْنَ۔

ترجمہ: (۵۵) اور ہم پورے ایمان۔ تصدیق قلبی۔ اور تسلیم ورضا کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ اور موسیٰؑ سے بات کی۔ (۵۶) اور ہم ملائکہ۔ انبیاء۔ اور رسولوں پر نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ واضح حق پر تھے۔ (۵۷) اور ہم قبلہ کو اس وقت تک مسلمان مؤمن سمجھتے ہیں جب تک وہ اس شریعت کے معترف رہیں جو رسول اکرمؐ لے کر آئے اور آپؐ کے تمام اقوال واحادیث کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں۔

تشریح: (۵۵) معتزلہ، جہمیہ اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ محبت، محب اور محبوب کے درمیان مناسبت پر ہوتی ہے اور قدیم وحادث کے درمیان کوئی مناسبت نہیں اس لئے ابراہیمؑ خلیل اللہ۔ موسیٰؑ کلیم اللہ۔ حضور حبیب اللہ نہیں ہو سکتے۔ اس خیال فاسد کا مخترع اول جعد بن درہم ہے۔ خالد بن عبد اللہ القشیری نے جو عراق کے امیر تھے اس کو اسی جرم میں عید الاضحیٰ کے دن قتل کیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ نے ابراہیمؑ کے خلیل اللہ اور موسیٰؑ کے کلیم اللہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اِتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ (نساء) وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ (نساء)

(۵۶) ایمان کے سات اجزاء ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۳) تمام رسولوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۵) فرشتوں پر

ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا۔ (۷) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے (جنت جہنم) پر ایمان لانا۔ ارشاد باری ہے۔ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (بقرہ) مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مان لیا۔ اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو ہم اس کے رسولوں میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔ (نساء) جو انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا یوم آخرت کا تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ (نساء) بے شک جو لوگ اللہ۔ اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے اور اس کے درمیانہ راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں سو یہ لوگ پکے کافر ہیں۔

فلاسفہ تقریباً ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ یا ان کے معانی میں تحریف کرتے ہیں۔

(۵۷) مسلمان جب تک دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا منکر نہیں ہوگا یا کسی گناہ کو حلال نہیں جانے گا تو محض گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ضروریات دین کا منکر مسلمان اور اہل قبلہ شمار نہ ہوگا۔ اگرچہ قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا ہو۔ ضروریات دین کے ماننے والے کو قرآن نے مسلمان کہا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (حج) تمہارے باپ ابراہیم کا دین اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن

تھی۔ معلوم ہوا کہ اس امت مسلمہ کا لقب مسلمان اس کے وجود سے پہلے ہی ہے۔ اور اس کے وجود کے بعد بھی قرآن نے اسکو مسلمان کہا ہے۔

(۵۸) وَلَا نَخُوضُ فِي اللهِ وَلَا نُمَارِي فِي دِينِ اللهِ. (۵۹) وَلَا نُجَادِلُ فِي الْقُرْآنِ وَنَشْهَدُ إِنَّهُ كَلَامُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ فَعَلَّمَهُ سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَكَلَامُ اللهِ لَا يُسَاوِيهِ شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ الْمَخْلُوقِينَ وَلَا نَقُولُ بِخَلْقِهِ وَلَا نُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ

ترجمہ: (۵۸) اور ہم ذات خداوندی میں غور و خوض نہیں کرتے اور نہ دین الٰہی میں جھگڑا کرتے۔ (۵۹) اور نہ ہم قرآن کریم کے (ظاہر اور سوق) میں جھگڑا کرتے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ رب العلمین کا کلام ہے۔ جسکو روح الامین (جبریل) لے کر اترے پھر سید المرسلین محمد ﷺ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین کو یہ کلام سکھلایا اور یہ کلام الٰہی ہے۔ مخلوق کا کلام اس کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہم اس قرآن کو مخلوق کہتے اور ہم (کسی بھی مسئلہ میں) جماعت مسلمین کی مخالفت نہیں کرتے۔

تشریح: (۵۸) اللہ کی ذات و آیات میں غور و خوض کا مطلب ہے ایسے خیالات وسوسہ، عقل رائے اور بے دلیل شکوک و شبہات کا اظہار جو انسان کا ذوق دین سے دور کر دے مثلاً اللہ تعالیٰ کو انسانی صفات سے متصف کرنا۔ ارشاد باری ہے۔ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللهِ (رعد) اور یہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اَلَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ۔ (مومن) "جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو"

اسی طرح خواہش پرستوں کو شکوک و شبہات باطلہ کی وجہ سے اہل حق سے مناظرہ کرنا دین الٰہی میں مناظرہ کرتا ہے جو تحاکم الی الطاغوت کے مترادف ہے۔ یعنی اپنے مسائل و معاملات کو دین الٰہی سے حل نہ کرکے طاغوتی طاقتوں سے حل کرتا ہے۔

جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا مناظرہ و مذاکرہ بھی ہے اور حق کا باطل سے التباس اور دعوت الی الباطل بھی۔ ارشاد باری ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ۔ (نساء) چاہتے ہیں کہ فیصلہ جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں۔ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِھَتُنَا خَیْرٌ اَمْ ھُوَ۔ مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا۔ (زخرف) اور کہتے ہیں ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یہ مثال جو دیتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ)

(۵) قرآن کریم میں مجادلہ کا مطلب ہے۔ اس کے الفاظ و معانی میں بے جا تاویل و تحریف تاکہ اہل حق میں اختلاف ہو۔ اور ان کے خیالات متفرق ہو جائیں۔ یہ اہل باطل کا طریقہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِہِ الْحَقَّ۔ (کہف) اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو۔

قرآن کریم کے بارے میں اس بات کی شہادت بھی عقیدہ کی بنیاد میں داخل ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ بلکہ کلام الٰہی ہے۔ اور خداوندی معجزہ ہے۔ اس کا کلام الٰہی اور معجزہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے پہلے پورے قرآن۔ پھر دس سورتیں۔ پھر ایک سورۃ۔ یہاں تک کہ ایک آیت اور ایک بات کا مثل لانے کا چیلنج انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ تو پوری دنیا کے فصیح اللسان بلیغ الکلام انسان۔ اس کا کسی بھی طرح مثل پیش کرنے سے قاصر و عاجز رہے۔ ارشاد باری ہے: (۱) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔ (بنی اسرائیل) کہہ دیجئے کہ اگر انس و جن ایسا قرآن لانے پر جمع ہوں تو ہرگز نہ لا سکیں گے ایسا قرآن۔ اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔ (۲) اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ۔ (ھود) کیا کہتے ہیں کہ اس کو خود نے گھڑا ہے۔ کہہ دیجئے۔ لے آؤ اس کے برابر

وہی سورتیں۔ (۳) فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه (بقرہ) لاؤ اس کے برابر ایک سورت

(۴) فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِه (طور) پس لے آئیں وہ اس کے برابر ایک بات۔

جماعت مسلمین یعنی علماء امت کا سلف اور خلف اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے وہ اس اجماع کی مخالفت کرتا ہے۔ خلیفہ مامون کے دور خلافت میں اہل حق ائمہ علم ودین نے خلق قرآن کا انکار کرنے کی وجہ سے سخت ترین مصائب کا سامنا کیا۔ اور ایسی سزائیں جھیلیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ حق پر قائم رہے۔ اور اس بات پر متفق رہے کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔

جفائی تیغ میں گردن وفا شعاروں کی　　کٹی ہے بر سر میدان مگر جھکی تو نہیں

(٦٠) وَلَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ
(٦١) وَلَا نَقُوْلُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْاِيْمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ. (٦٢)
وَنَرْجُوْ لِلْمُحْسِنِيْنَ اَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَلَا نَاْمَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا نَشْهَدُ
لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِيْئِهِمْ وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا نُقَنِّطُهُمْ.

ترجمہ: (۶۰) اور ہم کسی اہل قبلہ کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے جب تک وہ (اعتقادی طور پر) گناہ کو حلال نہ سمجھنے لگے۔ (۶۱) اور نہ (اعتقادا) یہ کہتے کہ (گنہگار مومن کو) ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں۔ (۶۲) اور ہم محسنین مومنین کے متعلق امید کرتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف کردے گا اور ہم ان کے متعلق (عذاب الٰہی سے) بے خوف بھی نہیں۔ اور نہ ہم ان کے بارے میں جنت کی (یقینی) گواہی دیتے ہیں۔ اور ہم ان میں سے گنہگاروں کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ہم ان کے جنت میں داخلہ سے متعلق ڈرتے ضرور ہیں، لیکن مایوس نہیں ہیں۔

تشریح: (۶۰، ۶۱) خوارج گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہے مگر کافر نہیں۔ یہ فرق ایمان

وکفر کے درمیان ایک درجہ اور تسلیم کرتا ہے۔ مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی اطاعت و عبادت نافع نہیں۔ مگر یہ تینوں عقیدے غلط اور قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ معتدل اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ وہ یہ کہ (۱) محض گناہ کے ارتکاب سے مسلمان کو ایمان سے خارج نہیں کیا جائے گا جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ کیونکہ گناہ کو حلال سمجھنا شریعت کا انکار ہے جو کفر ہے ارشاد باری ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی (بقرہ) اے ایمان والو تم پر قتل کی صورت میں قصاص واجب ہے۔ دیکھئے قاتل قتل گناہ کبیرہ ہے۔ جس کی وجہ سے قصاص واجب کیا مگر ایمان سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ مومن کہا اور اخوت دینی کی وجہ سے اہل ایمان کا بھائی کہا ارشاد باری ہے۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (الی ان قال) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (حجرات) اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ الخ۔ بے شک مومن دینی بھائی ہیں۔ سو اپنے بھائیوں میں صلح کرادو۔ (۲) ایمان کی حالت میں گناہ مضر ہے۔ اسی لئے ایسے آدمی کو فاسق وفاجر اور مستحق سزا کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ بحالت ایمان مومن کا گناہ کی وجہ سے جہنم میں جانا گناہ کے مضر ہونے کی دلیل ہے۔ شفاعت کی آیتیں اور حدیثیں بھی اس کی دلیل ہیں کیونکہ شفاعت مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ رہا کفر کی حالت میں نیکی کا نافع ہونا تو وہ بھی ثابت ہے۔ ابو طالب کفر کی وجہ سے مستقل جہنم میں رہیں گے لیکن ان کو تمام جہنمیوں سے ہلکا عذاب دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں حضورؐ کی حمایت اور نصرت کی۔ رہا معتزلہ کا ایمان وکفر کے درمیان ایک اور درجہ تسلیم کرنا۔ باقی تفصیل (۶۳) کے تحت

(۶۲) اسی طرح ہم ان مومنوں کے بارے میں جو نیکیوں کے ساتھ گناہ بھی کرلیتے ہیں اللہ کی ذات سے امید کرتے ہیں۔ کہ وہ ان کے ساتھ درگذر کا معاملہ فرمائے

تک لیکن ہم ان کے متعلق گرفت اور عذاب خداوندی سے بھی بے خوف نہیں کیونکہ گناہگار کی مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، ارشاد باری ہے وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (نساء) اور شرک کے علاوہ جس کی چاہے گا بخش کردے گا۔ اور ہمیں اس کی مشیت کا علم نہیں نیز بندہ کے باطنی احوال کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی لیے اس گناہگار کے بارے میں بھی مغفرت اور گرفت میں سے کسی ایک پہلو کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے جس نے اپنے گناہ سے سچے دل اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی ہو۔ کیونکہ اس کی توبہ قبول ہونے نہ ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (توبہ) اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ قریب ہے کہ اللہ معاف کرے انکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (اعراف) کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

اسی وجہ سے ہم کسی مسلمان کے بارے میں یقینی شہادت نہیں دے سکتے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی۔ علاوہ ان حضرات کے جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے بشارت سنادی ہو۔

چنانچہ انصار میں ایک بچہ کا انتقال ہو گیا حضرت عائشہؓ نے کہا اس بچہ کو خوش خبری ہو یہ جنت کا ایک پرندہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ یا عائشة اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔

بنی اسرائیل کے دو مرد تھے ایک عابد تھا دوسرا گنہگار۔ عابد جب اس کو گناہ کرتے دیکھتا تو منع کرتا ایک روز اس نے کہا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے کیا تجھے میرے رب نے مجھ پر نگران مقرر کیا ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم اللہ تیری مغفرت

نہیں کرے گا۔ اور تجھ کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا اور اللہ کے سامنے حاضر ہوئے تو اللہ نے عابد سے کہا۔ کیا تو مجھے جانتا تھا۔ یا میری چیزوں پر قادر تھا۔ (جو تو نے قسم کھا کر اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا) اور گناہگار سے کہا جا میری رحمت سے جنت میں۔ اور عابد کو جہنم رسید کر دیا۔

اسی طرح بکثرت گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لئے ہم استغفار کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں مسلمان کے لئے استغفار کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری ہے رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (حشر) اے ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے مؤمن تھے۔ لیکن چونکہ اس دعا کے قبول ہونے نہ ہونے کا ہمیں علم نہیں اس لئے اس کے عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہوں گے اور اس کی رحمت سے ناامید بھی نہیں۔ ارشاد باری ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لَا تَيْأَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ۔ (یوسف) "اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہو اللہ کی ذات سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں"

وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ سے عذاب ساقط ہونے اور معافی کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں مثلاً (۱) توبہ۔ (۲) استغفار۔ (۳) حسنات۔ (۴) دنیوی مصائب۔ (۵) قبر کی ہولناکیاں (۶) حشر کی ہولناکیاں۔ (۷) مؤمنوں کی دعائیں مؤمنوں کے لئے۔ (۸) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ (۹) اللہ کا معاف کرنا۔

لہٰذا معلوم بندہ کی مغفرت کس سبب کے تحت ہو جائے۔

---

(۶۳) وَالْاَمْنُ وَالْاِيَاسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَسَبِيْلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِاَهْلِ الْقِبْلَةِ. (۶۴) وَلَا نُخْرِجُ الْعَبْدَ مِنَ الْاِيْمَانِ

إلا بجحود ما أدخله فيه. (٦٥) والإيمان هو الإقرار باللسان والتصديق بالجنان.

ترجمہ: اور بے خوفی اور ناامیدی یہ دونوں راستے غیر ملت اسلام کے ہیں اور اہل قبلہ کے لئے حق راستہ ان دونوں (امید و بیم) کے درمیان ہے۔ (۶۴) اور ہم مومن بندہ کو ایمان سے خارج قرار نہیں دیں گے مگر ان چیزوں کے انکار کر دینے سے جن کی بنا پر ایمان میں داخل ہوا تھا۔ (۶۵) اور ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق (اور عمل بالارکان) کا نام ہے۔

تشریح: (۶۳) یعنی صرف اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو اس کے عذاب سے خائف نہ ہو یا صرف اس کے عذاب سے خائف ہو اور اس کی رحمت کا امیدوار نہ ہو یہ دونوں صورتیں اسلام سے خارج اور غیر مسلموں کا خیال باطل ہے۔ اہل اسلام کا نظریہ اور عقیدہ اس بارے میں یہ ہے کہ اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف دونوں انسان میں برابر موجود ہوں۔ اسی امید و بیم کے درمیان ایمان ہے۔ ارشاد باری ہے۔ أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ۔ (بنی اسرائیل) وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (الم سجدہ) جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے۔

(۶۴) اس میں معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے۔ تفصیل (۲۰) کے تحت آچکی ہے۔ بقیہ (۲۰) کا قول تو وہ بے دلیل ہے اور غلط ہے۔ کیونکہ قلب کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا اس میں یقین کی کیفیت ہوگی یا نہ ہوگی تیسری کوئی صورت نہیں ارشاد باری ہے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ۔ (التغابن) وہی ہے جس نے تم

کیونکہ ایک کافر تم میں کوئی منکر ہے کوئی ایمان دار۔ مومن میں یقین کی صفت ہوتی ہے۔ اور کافر میں انکار کی۔ ارشاد باری ہے۔ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ (سجدہ) اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ (عنکبوت) اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر کافر۔ ریب شک کرنے والے یا منافق تو وہ کافرین میں شامل ہیں اسلئے کہ ریب۔ شبہ۔ شک۔ نفاق۔ یہ سب کفر کے شعبے ہیں۔ اور یقین کی ضد ہیں۔ اس لئے کفر و ایمان کے درمیان اور کوئی درجہ نہیں ہے۔

(۶۵) امام ابو حنیفہؒ اور ابو منصور ماتریدی کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے یعنی صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اور اقرار باللسان احکام کے لئے شرط ہے۔ محققین کی ایک جماعت ایمان کو مرکب مانتی ہے پھر ان میں ایک فریق کہتا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا نام ہے۔ یہی امام طحاوی کا خیال ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔

معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ ایمان کا قوام اعمال سے ہے۔ اسی لئے خوارج کے نزدیک تارک اعمال خارج ایمان اور داخل کفر ہے۔ معتزلہ کے یہاں صرف خارج ایمان لیکن اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو داخل کفر ہے۔ متکلمین کی ایک جماعت اور اہل حق علماء کے نزدیک اعمال سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے یعنی اس سے ایمان بڑھتا ہے۔

(۶۶) وَاَنَّ جَمِيْعَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ وَجَمِيْعَ مَا
صَحَّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ
كُلُّهٗ حَقٌّ (۶۷) وَالْاِيْمَانُ وَاحِدٌ وَاَهْلُهٗ فِيْ اَصْلِهٖ سَوَاءٌ
وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِيْقَةِ بِالتَّقْوٰى وَمُخَالَفَةِ الْهَوٰى وَمُلَازَمَةِ
الْاَوْلٰى (۶۸) وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ اَوْلِيَاءُ الرَّحْمٰنِ وَاَكْرَمُهُمْ عِنْدَ
اللّٰهِ اَطْوَعُهُمْ وَاَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ۔

ترجمہ: (۶۶) اور بلاشبہ قرآن کریم میں نازل کردہ تمام احکام اور رسول اللہ

ﷺ سے شریعت اور شرح کے طور پر منقول تمام احادیث برحق ہیں۔ (۶۷) اور ایمان ایک وحدت ہے اور اہل ایمان اس کی بنیاد میں برابر ہیں اور در حقیقت ایک دوسرے پر فضیلت خشیت الٰہی، تقویٰ، خواہشات نفسانی کی مخالفت اور افضل عمل پر پابندی سے عمل کی بنیاد پر نصیب ہوتی ہے۔ (۶۸) اور تمام مومنین اللہ کے ولی ہیں۔ اور اللہ کی نظر میں ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کا زیادہ فرمانبردار اور قرآن کا زیادہ تابع ہو۔

تشریح: (۶۶) قرآن حق اور وحی قطعی ہے جو انسان کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ باطل کی آمیزش اس میں کسی بھی جانب سے نہیں ہو سکتی۔ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ (انبیاء) اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے نازل کی سو کیا تم اس کو نہیں مانتے۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات دو طرح کے ہیں (۱) جن میں احکام جدیدہ کو شروع فرمایا گیا جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ (۲) جن میں احکام قرآن کی وضاحت اور تفسیر فرمائی ہے۔ مصنفؒ نے من الشرع والبیان فرما کر انہی دونوں قسموں کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (حشر) جس چیز کا رسول تمہیں حکم دیں اس کو اختیار کرو۔ اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (نحل) اور نازل کیا ہم نے تجھ پر قرآن تاکہ تو بیان کرے لوگوں کے سامنے جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن و حدیث دونوں حجت شرعیہ ہیں ان سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں۔ بخلاف فرق ضالہ مثلاً جہمیہ، معطلہ، معتزلہ روافض وغیرہ کے کہ یہ حدیث کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

(۶۷) جس طرح انسان حیوان ناطق ہونے میں برابر ہیں اور دیگر عوارض کی وجہ سے ان میں امتیاز ہوتا ہے ایسے ہی تمام مومنین نفس ایمان میں برابر ہیں یعنی جن

چیزوں کے تسلیم کرنے اور اعتقاد رکھنے سے انسان مومن بنتا ہے وہ چیزیں سب کے لئے برابر درجہ رکھتی ہیں پر ایمان والے کے لئے ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے کسی ایک چیز کے چھوڑ دینے یا نہ ماننے سے وہ مومن نہیں ہوگا۔

البتہ مومنوں میں فرق مراتب تقویٰ یا اخلاق حسنہ۔ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان کی زیادتی کو قبول نہیں کرتے بلکہ اعمال کی زیادتی کو قبول کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فرق مراتب ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (فاطر) پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو ہم نے چن لیا اپنے بندوں میں سے پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنے لئے۔ اور کوئی ان میں بیچ کی چال پر ہے۔ اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر) کہہ دیجئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں صرف اہل عقل نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ) اللہ بلند کرے گا ان کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم کے درجے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات) بلاشبہ تم میں اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو۔

(۲۸) مومن سب اللہ کے ولی اور دوست ہیں لیکن یہ دوستی انسانوں جیسی نہیں ہے جو احتیاج پر موقوف ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بے نیاز ہے۔ پھر جس طرح مومن نفس ایمان میں برابر ہیں نفس ولایت میں بھی برابر ہیں۔ اور ولایت میں فرق مراتب تقویٰ۔ اخلاص۔ اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جو متقی ہیں اور قرآن و سنت کے زیادہ متبع ہیں ان کو ولایت کاملہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور عام مومنین کو ولایت ناقصہ حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ

آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (بقرہ) اللہ ولی ہے مومنوں کا نکالتا ہے ان کو ظلمتوں سے نور کی جانب۔ اور جو کافر ہیں ان کے ولی شیطان ہیں نکالتے ہیں ان کو نور سے ظلمتوں کی جانب۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (مائدہ) تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور جو ایمان لائے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ جیسے مومن اللہ کے ولی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول بھی مومنوں کے ولی ہیں اور خود مومنین بھی آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ جیسے مومن اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ بھی مومن سے محبت کرتا ہے ارشاد باری ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔

طاعات اور نیکیاں سب کی سب ایمانی شعبے ہیں اور معاصی اور برائیاں سب کی سب کفریہ شعبے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ شعبہ کفر کی جڑ انکار ہے اور شعبہ ایمان کی بنیاد تصدیق پر ہے اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کافر نہ ہو اور کفریہ عمل کرے اور انسان کافر ہو اور ایمانی عمل کرے لیکن کافر ہونے کا اطلاق انکار کے وقت ہوگا اور مومن ہونے کا اطلاق تصدیق و اقرار کے بعد ہوگا۔

(۶۹) وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِيمَانُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ وَحُلْوِهِ وَمُرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالَى (۷۰) وَنَحْنُ مُؤْمِنُونَ بِذَلِكَ كُلِّهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَنُصَدِّقُهُمْ كُلَّهُمْ عَلَى مَا جَاؤُوا بِهِ.

ترجمہ اور ایمان (کے سات ارکان ہیں) جو دل سے ایمان لانا (۱) اللہ پر (۲) اس کے فرشتوں پر (۳) اس کی کتابوں پر۔ (۴) اس کے رسولوں پر۔ (۵) یوم آخرت پر۔ (۶) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر (۷) اچھی بری تقدیر پر (مٹھاس کڑواہٹ) اللہ ہی کی جانب سے ہونے

ہے۔ اور ہم ان تمام مذکورہ حقائق پر ایمان رکھتے ہیں اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور جو وہ پیغام لائے تھے اس کی (تہہ دل سے) تصدیق کرتے ہیں۔

تشریح: (۶۹) ایمان کے بارے میں تفصیل (۵۲) کے تحت گذر چکی ہے۔ بعث بعد الموت پر قرآن کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ہم نے اسی (مٹی) سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ پیدا کریں گے۔

بندہ کی قسمت میں جس قدر اچھائیاں یا برائیاں مقدر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس بات پر پختہ ایمان ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (آپ) کہہ دیجئے۔ ہرگز نہیں پہنچ سکتا ہم کو مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنَ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نساء) اور اگر ان کو پہنچے کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے ان کو کوئی برائی تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے کہہ دے کہ (بھلائی اور برائی) سب اللہ کی طرف سے ہے۔

(۷۰) اصولی طور پر تمام انبیاء کا دین ایک ہے اس لئے تمام انبیاء اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے جو کفر ہے۔ ارشاد باری ہے قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا (الی ان قال) وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ) کہو۔ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ (الی ان قال) اور جو نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

---

(۷۱) وَاَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّارِ لَا يُخَلَّدُوْنَ اِذَا مَاتُوْا وَهُمْ مُوَحِّدُوْنَ وَاِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا تَائِبِيْنَ

بَعْدَ أَنْ لَقُوا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَارِفِيْنَ وَهُمْ فِي مَشِيْئَتِهِ وَحُكْمِهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَفَا بِفَضْلِهِ كَمَا ذَكَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِقَدْرِ جِنَايَتِهِمْ بِعَدْلِهِ. ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِيْنَ مِنْ أَهْلِ طَاعَتِهِ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ إِلٰى جَنَّتِهِ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ جَلَّ جَلَالُهُ مَوْلٰى لِأَهْلِ مَعْرِفَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ كَأَهْلِ نَكِرَتِهِ الَّذِيْنَ خَابُوْا مِنْ هِدَايَتِهِ وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْ وِلَايَتِهِ اَللّٰهُمَّ يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ مَسِّكْنَا بِالْإِسْلَامِ حَتّٰى نَلْقَاكَ بِهٖ۔

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ کی امت میں کبیرہ گناہ کرنے والے جہنم میں جائیں گے لیکن ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے جبکہ وہ موت کے وقت توحید کے قائل ہوں اگرچہ انہوں نے توبہ نہیں کی بعد اس کے کہ بحالت ایمان جان جان آفریں کے سپرد کی اور یہ (اہل کبائر) اللہ کی مشیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوں گے اگر وہ چاہے تو اپنے فضل سے ان کی بخشش کر دے اور ان کو معاف کر دے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن میں فرمایا وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (ترجمہ) کفر و شرک کے علاوہ جس کی چاہے گا مغفرت کر دے گا اور اگر وہ چاہے تو اپنے عدل و انصاف کے مطابق بقدر جنایت ان کو جہنم میں سزا دے پھر انہیں اپنی رحمت اور اہل طاعت کی سفارش سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ جل جلالہ اہل ایمان کو دوست رکھتا ہے۔ اور انہیں ان منکرین کی طرح دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کرے گا جو اس کی ہدایت سے محروم رہے۔ اور اس کی ولایت کو نہیں پہنچ سکے اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے ولی (دوست) ہمیں اسلام پر برقرار رکھ یہاں تک کہ ہم تجھ سے بحالت اسلام ملاقات کریں۔ (ایمان پر خاتمہ عطا فرما)۔

تشریح: (۱۷) کبیرہ گناہ وہ ہے جس کے کرنے پر یا تو حد جاری ہو یا اس پر جہنم کی وعید وارد ہوئی ہو یا وہ لعنت و غضب کا مستحق ہو۔ مثلاً ناحق قتل کرنا۔ جادو کرنا۔ پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت۔ یتیم کا مال ناحق کھانا۔ میدان جہاد سے پیٹھ دے کر بھاگنا۔ سود کھانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ جھوٹی قسم کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ چوری کرنا یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔

مشرک و کافر کی بخشش نہیں ہوگی بلکہ وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں البتہ مؤمن خواہ گناہ کبیرہ کرے یا صغیرہ کرے اس کی وجہ سے دائمی طور پر جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو اپنے عدل کے مطابق گناہ کی بقدر عذاب میں گرفتار کر دے اور پھر پاک و صاف کر کے جنت میں داخل کر دے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ جنت سے باہر ایک نہر ہوگی ایسے لوگوں کو اس میں غوطہ لگوا کر جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ ارشاد باری ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ سو جس نے کی ذرہ برابر بھلائی وہ اسے دیکھ لیگا اور جس نے کی ذرہ برابر برائی وہ اسے دیکھ لیگا۔

امۃ محمد: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دیگر امتوں کے اہل کبائر (ان کی شریعتوں کے منسوخ ہونے سے پہلے) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور وہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے دائمی جہنمی ہونگے لیکن نبی کریم ﷺ کا فرمان يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْإِيمَانِ۔ جہنم سے نکال لئے جائیں گے وہ لوگ جن کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ مطلق ہے جس میں کسی امت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ مطلق ایمان کا ذکر ہے۔

وان لم یکونوا: اس لئے کہ اگر توبہ کر لی تو توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (فرقان) مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا۔ اور کیا کچھ نیک کام سو انکو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔ التائب من

الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (حدیث) گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

عارفین: مؤمنین کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ معرفت مجردہ کی بغیر ایمان، نجات کے لئے کافی نہیں گو وہ معرفت کامل درجہ کی ہو۔ ابلیس رب کا اور اس کی ربوبیت کا عارف ہے۔ مگر مؤمن نہیں اس لئے ناجی نہیں۔ ارشاد باری ہے وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (بقرہ) اور تھا وہ کافروں میں کا۔ اہل کتاب اور بہت سے کفار مثلاً فرعون جیسوں کو معرفت حاصل تھی مگر کافر ہیں۔

مولیٰ لهم: اللہ تعالیٰ صرف مؤمنوں کا رفیق ہے۔ کافروں کا نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَأَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (محمد) اللہ مؤمنوں کا رفیق ہے کافروں کا کوئی رفیق نہیں۔ غزوہ احد میں ابو سفیان نے پکارا تھا۔ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ۔ آپ نے فرمایا کہہ دو۔ وَاللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔

(۷۲) وَنَرَى الصَّلٰوةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلٰى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ (۷۳) وَلَا نُنَزِّلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلَا نَارًا وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا بِشِرْكٍ وَلَا بِنِفَاقٍ مَا لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ وَنَذَرُ سَرَائِرَهُمْ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: (۷۲) اور ہم اہل قبلہ میں سے ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور اسی طرح اہل قبلہ میں سے ہر نیک و بد مرنے والے پر نماز جنازہ جائز سمجھتے ہیں۔ (۷۳) اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو نہ جنتی قرار دیتے اور نہ دوزخی (کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کرتے) اور نہ ہم کسی اہل قبلہ پر کفر و شرک اور نفاق کا فتویٰ لگاتے جب تک ان سے کوئی (کفر و شرک اور نفاق) چیز ظاہر نہ ہو اور ہم ان کے پوشیدہ ارادوں کو اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔

تشریح:

(۷۲) اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلمان خواہ نیک ہو یا فاسق ہر ایک کے پیچھے نماز جائز ہے رہا کراہت کا مسئلہ تو اس سے یہاں بحث نہیں اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ حدیث رسول ہے صَلُّوْا خَلْفَ بِرٍّ وَفَاجِرٍ۔ نماز پڑھو ہر نیک و بد کے پیچھے یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ فساق و فجار اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور پھر اس کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابن عمر اور انس بن مالک حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے جو فاسق ظالم تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطؤا فلکم وعلیھم (بخاری)

اسی طرح ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ خودکشی کرکے مرا ہو یا اپنی طبعی موت والدین کے قاتل پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی موت مرا ہو۔ البتہ اگر امام نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا ہے۔ تو اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ شریعت اسلامیہ نے چند لوگوں پر نماز جنازہ کو ممنوع قرار دیا ہے مثلاً (۱) باغی۔ (۲) رہزن۔ جبکہ یہ جنگ میں قتل کر دیئے جائیں۔ اگر بعد میں مر گیا یا بعد میں قتل کیے گئے تو ان کی نماز پڑھی جائے گی۔ کافر و منافق پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ ارشاد باری ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (توبہ) ان میں سے کسی پر نماز نہ پڑھئے جو مر جائے کبھی بھی۔ اور نہ ان کی قبر پر کھڑا ہوئیے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکفیر کی ہے۔ اور فسق کی (کفر کی) حالت میں مرے ہیں۔ کافروں پر نماز سے منع فرمانا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ مومنوں پر نماز پڑھی جائے گی خواہ مومن متقی ہو یا فاجر۔

(۷۳) ہم کسی مسلمان کو قطعی طور پر جہنمی یا جنتی نہیں کہیں گے۔ مگر جن کے جنتی ہونے کی شہادت اور بشارت نبی اکرم ﷺ نے دی ہے جیسے عشرہ مبشرہ کما سیاتی

جب تک کسی انسان سے کفریہ و شرکیہ افعال ثابت نہ ہوں تو صرف گمان کی وجہ سے کسی کے کافر و مشرک یا منافق ہونے کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ ارشاد باری ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل) اور پیچھے نہ پڑ اس کے جس کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (حجرات) بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے بے شک بعضی تہمت گناہ ہے۔

(۷۴) وَلَا نَرَى السَّيْفَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ. (۷۵) وَلَا نَرَى الْخُرُوْجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُوْرِنَا وَإِنْ جَارُوْا. وَلَا نَدْعُوْا عَلَيْهِمْ وَلَا نَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ وَنَرَى طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرِيْضَةً مَا لَمْ يَأْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ. وَنَدْعُوْ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمُعَافَاتِ.

ترجمہ: (۷۴) اور ہم امت محمدیہ ﷺ میں کسی فرد پر تلوار چلانا (اس سے جنگ کرنا) جائز نہیں سمجھتے مگر جس پر تلوار کا چلانا واجب ہو جائے۔

(۷۵) اور ہم اپنے مسلم حکمران کی بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور نہ ہم انہیں بد دعا دیتے ہیں اور نہ ان کی اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہیں اور جب تک وہ کسی معصیت (ناجائز کام) کا حکم نہ دیں ہم اطاعت خداوندی کی وجہ سے ان کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان کے لئے اصلاح اور درستی کی دعا کرتے ہیں۔

تشریح: (۷۴) مسلمان کا قتل تین صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) اگر شادی شدہ مسلمان زنا کرے تو رجم کیا جاتا ہے۔ (۲) ناحق کسی کو قتل کردے تو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ (۳) دین اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے اور جماعت مسلمین سے مخالف ہو جائے تو اس کا قتل واجب ہوتا ہے۔ (کما فی الصحیح)

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب بلوائیوں نے شہید کیا تھا تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ مجھ کو کس وجہ سے قتل کر رہے ہو۔ میں نے زنا نہیں کیا۔ کسی کو ناحق قتل نہیں کیا۔ میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا۔ ارشاد باری ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً۔ (نساء) مؤمن کے لئے حق نہیں کہ مؤمن کو قتل کرے مگر خطا "وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا۔ (نساء) جو کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ (العیاذ باللہ) رہے گا۔

(۷۵) مسلم حکمرانوں اور متسلطین سے بغاوت جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔ اگرچہ وہ ہم پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ اور ناانصافی سے کام لے رہے ہیں تو بھی ان کی اطاعت ضروری ہے اس لئے کہ بغاوت کی صورت میں اگر اس ظلم و زیادتی اور ناانصافی کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو (۱) ظالم لوگ رد عمل میں ان پر اور ظلم و زیادتی کریں گے جس سے فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ (۲) نیز ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہوگا اسلامی شان و شوکت اور اس کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا۔ (۳) ظالم حکام کا ہم پر تسلط ہمارے فساد اعمال کی وجہ سے ہے اور یہ ایک سزا ہے۔ جو بعض عمل سے دی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِينَ بَعْضًا لِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (انعام) اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔ بہر حال مختلف وجوہات کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے مسلم حکمرانوں کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اور ان سے خروج و بغاوت کی اجازت نہیں دی۔ ارشاد باری ہے أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (نساء) اللہ اور رسول اور اپنے میں سے اولوا الامر کی اطاعت کرو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین نے فاسق حاکموں کی اطاعت کی۔ اگر شرعی طور پر اس کی اجازت دیدی جاتی تو قوم مسلم اسلامی تشخص کو باقی رکھنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہوتی اس کا اندازہ اسلامی تاریخ سے پہلے حالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قومیں بے سہارہ رہیں اس چھینا جھپٹی کا شکار رہیں۔ اور بعد والوں کے لئے کوئی رہنما اصول نہیں چھوڑ کر گئیں۔

اسی لئے ایسے حکام کے لئے بددعا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ پوشیدہ طور پر یہ بھی بغاوت ہے۔ اس طرح کی ظلم وزیادتی اور ناانصافی۔ اور آپسی خلفشار کو ختم کرنے کے لئے بجائے بغاوت وغیرہ کے اندر رہ کر مؤثر تدبیریں حسب المقدور اختیار کیجائیں حتی کی ان کی درستگی اور اصلاح کے لئے دعا بھی کی جائے۔

البتہ اگر یہ حکام معصیت کا حکم دیں اور اس پر مجبور کریں تو اس بارے میں ان کی اطاعت نہیں کیجائے گی ارشاد رسول ﷺ ہے۔ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔ (صحیحین) مسلمان پر سمع وطاعت واجب ہے۔ پسند وناپسند چیزوں میں مگر یہ کہ معصیت کا حکم دیدیا جائے۔ اگر معصیت کا حکم دیدیا تو نہ سمع ہے نہ طاعت کیونکہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خالق کی معصیت میں مخلوق کی طاعت جائز نہیں۔ اور آیت وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ میں۔ اولوالامر کو رسولؐ پر معطوف کر کے بھی اسی جانب اشارہ کردیا گیا۔ کہ جیسے رسولؐ کسی کو اللہ کی اطاعت کے علاوہ کا حکم نہیں دیتے۔ ایسے ہی اولوالامر کی طاعت بھی انہیں چیزوں میں کیجائے گی جس سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہو۔ ارشاد رسولؐ ہے وَمَنْ أَطَاعَ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔ (بشرط ان الامیر لا یامر بمعصیۃ اللہ ورسولہ) جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا حکم نہ کرے)

(۷۶) وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوذَ وَالْخِلَافَ وَالْفُرْقَةَ (۷۷) وَنُحِبُّ أَهْلَ الْعَدْلِ وَالْأَمَانَةِ وَنُبْغِضُ أَهْلَ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ (۷۸) وَنَقُولُ اللّٰهُ أَعْلَمُ فِيمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهُ (۷۹) وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ كَمَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ

ترجمہ: (۷۶) اور ہم سنت وجماعت کا اتباع کرتے ہیں اور جماعت سے علیحدگی۔ مخالفت اور افتراق سے اجتناب کرتے ہیں۔ (۷۷) اور اہل عدل وامانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہل ظلم وخیانت سے نفرت کرتے ہیں۔ (۷۸) اور علم دین میں اگر ہم پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے تو اس مقام پر ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (۷۹) اور ہم سفر وحضر میں مسح علی الخفین (موزوں پر مسح کرنے کو) جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

توضیح: سنة۔ اسوۂ رسول اکرمؐ۔ جماعت رسول اللہؐ کے اطاعت شعار۔ صحابہ وتابعین وغیرہ الی یوم الدین۔ الشذوذ۔ مصدر باب ن، ض علیحدہ ہونا۔

تشریح: (۷۶) یعنی ہم عقائد واحکامات شرعیہ میں اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں۔ رائے زنی کرنے والوں خواہش پرستوں اور شیطان کی اتباع کرنے والوں سے اجتناب کلی اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا۔ (نساء) ہدایت واضح ہو جانے کے بعد جو رسول کی مخالفت کرے۔ غیر مومنوں کے طریقہ پر چلے تو ہم اس کو پھیر دیں جدھر وہ پھر گیا۔ اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ (قصص) اس سے زیادہ گمراہ کون ہے۔ جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث رسولؐ کے مطابق ہم ان بہتر (۷۲) فرقوں سے اجتناب کرتے ہیں جو افراط وتفریط کا شکار ہیں اور حق راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں جو قرآن وسنت صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ پر ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ (انعام) جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے

دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالہ ہے۔

(۷۷) کمال بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اہل تقویٰ اور انصاف پسندوں سے اور امانتداروں سے محبت اور اہل فسق وفجور اور اہل خیانت سے نفرت کیا جائے۔ ارشاد رسول ﷺ الحب في الله والبغض في الله کا تقاضا بھی یہی ہے اور سنت الٰہی بھی یہی ہے۔ ارشاد باری سبحان الله يحب المقسطين (مائدہ)

(۷۸) جن چیزوں کا بندوں کو علم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے یعنی متشابہات کا علم اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا ہی اصل عقیدہ ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے دع ما يريبك الى ما لا يريبك۔

(۷۹) شیعہ حضرات مسح علی الخفین کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور پیروں پہ ٹخنوں تک مسح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ ان کے یہاں مستقل عقیدے میں داخل ہے۔ جو قرآن وسنت۔ عمل صحابہ تعامل سلف اور اجماع کے خلاف ہے۔ مسح علی الخفین کی روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کی روایات جب تک میرے سامنے روز روشن کی طرح واضح نہیں ہو گئیں جب تک اس کے جواز کا قائل نہیں ہوا۔ امام کرخیؒ فرماتے ہیں جو مسح علی الخفین کو جائز نہ کہے مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ اہل سنت والجماعت مسح علی الخفین کو جائز کہتے ہیں۔ اسی لئے بعض سلف سے منقول ہے کہ اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ شیخین کو فضیلت دینا۔ ختنین سے محبت کرنا۔ مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا۔ شیعہ کے اس نظریے کی تردید کے لئے مصنفؒ نے اس جزئی مسئلہ کو بنیادی عقائد میں بیان فرمایا۔ البتہ بعض روایات سے جو مسح رجلین کی بظاہر تائید ہوتی ہے۔ اس سے اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ پیروں کے دھلنے میں دیگر اعضاء کی طرح پانی کے استعمال میں احتیاط برتنی چاہئے کیونکہ عام طور پر اس میں اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔

(۸۰) وَالْخُرُوْجُ وَالْجِهَادُ فَرْضَانِ مَاضِيَانِ مَعَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا۔ (۸۱) وَنُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ وَإِنَّ اللهَ قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِيْنَ۔

ترجمہ: (۸۰) مسلمانوں میں سے نیک و بد حکمرانوں کے ساتھ حج اور جہاد فرض ہیں۔ جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ ان دونوں کو نہ کوئی شئی باطل کر سکتی (جھٹلا سکتی) اور نہ انہیں ختم کر سکتی ہے۔ (۸۱) اور ہم کراما کاتبین پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ نے ان کو ہمارا محافظ بنایا ہے۔

تشریح: (۸۰) حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اور جہاد بھی اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ اور یہ دونوں ایسے فرض ہیں جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ منسوخ نہیں ہو نگے۔ دونوں کے فرائض انجام دینے کے لئے امیر و حاکم اور اہل انتظام کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ امیر و حاکم کا عادل ہونا شرط نہیں اگر امیر کسی وجہ سے فاسق و فاجر ہو تو ان کی ماتحتی میں بھی ان فرائض کو ادا کیا جائے گا کیونکہ امام عادل کی طرح یہ انتظامات فاسق بھی کر سکتا ہے۔

یہ دونوں عبادتیں چونکہ اجتماعی ہیں اور ان میں کچھ خصوصیات ہیں جو دو عبادتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً چلنا۔ پھرنا۔ نقل و حرکت۔ حتی کہ دور جانا وغیرہ۔ اس لئے دونوں کو مستقلاً ذکر کیا۔ ارشاد باری ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً (آل عمران) اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔
(توبہ) اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے۔ جہاد کا مقصد فتنہ اور شر کو دفع کرنا اور کلمہ خداوندی کو بلند کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ

حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للّٰہ (بقرہ) ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور اللہ کا دین باقی رہے۔

الجہاد ماض الی یوم القیامۃ۔ (حدیث)

"جہاد قیامت تک جاری رہے گا"

مصنفؒ نے أولی الامر۔ فرما کر شیعہ حضرات کی تردید کی ہے جو امام معصوم کی شرط لگاتے ہیں۔ اور اس سے اس امام معصوم کی جانب اشارہ مقصود ہے جس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ غائب ہیں۔ اور اپنے وقت مقررہ پر ظاہر ہوں گے۔ اس وقت وہ جہاد کریں گے۔ حالانکہ یہ قول باطل اور بلا دلیل ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے خیار ائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم وتصلون علیہم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونہم ویبغضونکم وتلعنونہم ویلعنونکم قال قلنا یا رسول اللہ افلا ننابذہم عند ذلک قال لا ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ الا من ولی علیہ وال فرآہ شیئاً من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یداً من طاعتہ۔

(۸۱) انسان کے دن رات کے اعمال لکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے دن کے لئے دو فرشتے رات کے لئے اس طرح چار فرشتے متعین فرمائے ہیں۔ جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ دو فرشتے انسان کی حفاظت کے لئے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کو کراماً کاتبین کہا گیا ہے۔ دن والے فرشتے فجر کی نماز میں آتے ہیں۔ تو رات والے فرشتے بعد نماز فجر چلے جاتے ہیں۔ رات والے فرشتے عصر کی نماز میں آتے ہیں تو دن والے بعد نماز عصر چلے جاتے ہیں یہ فرشتے امانت داری کے ساتھ تمام اعمال لکھتے ہیں کسی میں خیانت نہیں کرتے۔ اور کسی عمل کو نہیں چھوڑتے تو ہمارے اعمال ان سے پوشیدہ نہیں۔ ارشاد باری ہے۔ اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (انفطار) اور تم پر نگہبان مقرر ہیں عمل لکھنے والے۔ جانتے ہیں جو کچھ

تم کرتے ہو۔ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ (ق) جب لیتے جاتے ہیں دو لینے جانے والے ایک دائیں بیٹھا ایک بائیں بیٹھا۔ نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس راہ دیکھنے والا تیار۔ اَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ۔ (زخرف) کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی چھپی باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ کیوں نہیں۔ اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں۔

(۸۲) وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ الْمُوَكَّلِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْعَالَمِينَ.

(۸۳) وَنُؤْمِنُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهِ لِمَنْ كَانَ لِذَلِكَ أَهْلًا وَبِسُؤَالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ لِلْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ عَنْ رَبِّهِ وَنَبِيِّهِ وَدِينِهِ عَلَى مَا جَاءَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ أَصْحَابِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ وَالْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيرَانِ. (ومثله في الحديث)

ترجمہ: (۸۲) اور ہم موت کے فرشتے (ملک الموت) پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام عالم کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے۔ (۸۳) اور ہم عذاب قبر اور اس کی راحتوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس شخص کیلئے جو اس کا اہل ہو اور قبر میں میت سے منکر نکیر (فرشتوں) کے سوالات کو برحق جانتے ہیں جو اس کے رب نبی اور دین کے متعلق کئے جائیں گے۔ اس تفصیل کے مطابق جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی احادیث سے ثابت ہے۔ اور قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

تشریح: (۸۲) ملک الموت جو روح قبض کرنے پر مسلط ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ عام لوگوں میں عزرائیل کا لفظ مشہور ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ یہ نام اسرائیلیات میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے۔ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ (الم سجدہ) کہہ

دیجئے۔ وفات دیتا ہے تم کو موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔ حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللّٰهِ۔ (انعام) یہاں تک کہ جب آتی ہے تمہارے پاس موت تو وفات دیتے ہیں اس کو ہمارے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والے فرشتے متعدد ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ قابض ارواح تو ملک الموت ہی ہے اور بعد قبض ملائکہ عذاب یا ملائکہ رحمت اس کو لے لیتے ہیں۔

(۸۳) قبر کے عذاب اور اس کی راحت۔ جسم میں روح کو لوٹانا اور منکر نکیر کا ذات باری اور حضور اور دین کے بارے میں سوالات کرنا۔ نیک اعمال کی صورت میں قبر کا کشادہ ہونا۔ جنت کی کھڑکیاں کھلنا اور نعمتوں کا عطا ہونا۔ اور اعمال بد کی صورت میں قبر کا تنگ ہونا۔ جہنم کی کھڑکیاں کھلنا اور عذاب وغیرہ کا ہونا۔ یہ سب احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس پر یقین لانا ضروری ہے کہ بندہ کو اس دنیا کے بعد آخرت سے پہلے عالم برزخ سے واسطہ پڑے گا خواہ وہ قبر میں ہو یا کسی اور جگہ اس سے وہاں سوالات ہوں گے۔ پھر وہ قبر اعمال کے اعتبار سے کسی کے حق میں تو جنت کا باغیچہ ہوگی اور کسی کے حق میں جہنم کا گڑھا۔ (كذا في الاحاديث)

(۸۴) وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ الْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِيزَانِ وَالْبَعْثُ هُوَ حَشْرُ الْأَجْسَادِ وَإِحْيَاؤُهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: اور ہم بعث (موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے) قیامت کے دن اعمال کی جزاء عرض (اعمال کی پیشی) حساب، اعمالنامہ کے پڑھنے، ثواب وعقاب۔ پل صراط۔ میزان جیسے حقائق پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اور بعث نام ہے قیامت کے دن جسموں کو زندہ کرکے ایک جگہ جمع کرنے کا۔

تشریح: صرف مرنے اور قبر میں دفن کردینے پر اکتفا نہیں کیا جائے گا

بلکہ مندرجہ حالات سے بھی گذرنا پڑے گا۔ دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور تمام جسموں کو دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے وَزَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (تغابن) اور کافروں نے گمان کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھنا ہے پھر تم کو جتلانا ہے۔ جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (مؤمنون) پھر جب پھونک ماری صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے۔

انسان کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (بقرہ) اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو اس کے کیے کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

بندہ پر اس کے اعمال پیش کیے جائیں گے۔ اور اسی کے مطابق اس کا حساب ہوگا۔ وہ اعمالنامہ اس کے ہاتھوں میں اڑ کر کھلا ہوا چلا جائے گا۔ جس کو وہ پڑھے گا۔ اگر اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا تو اس کا حساب آسان ہوگا۔ اور جنت میں چلا جائے گا۔ اور اگر اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ہوگا تو وہ سخت حساب میں گرفتار ہوگا اور جہنم میں جائیگا۔ ارشاد باری ہے۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا. اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل) اور جو آدمی ہے لگادی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت میں ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی۔ پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔

اعمال کا محاسبہ کرنے کے بعد۔ ثواب و عقاب کی صورت میں بدلہ دیا جائیگا۔ ثواب کیلئے قرآن میں لفظ اجر۔ اور عقاب کیلئے وزر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران) قیامت میں تم کو پورا اجر دیا جائے گا۔ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ (الذکر) فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا خَالِدِينَ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا (طٰہٰ) جو کوئی منہ پھیرے اس سے سو وہ اٹھائے گا قیامت میں ایک بوجھ سدا رہیں گے اس میں اور برا ہے ان پر قیامت میں وہ بوجھ اٹھانا۔

اس بدلہ کی کئی صورتیں ہوں گی۔ (۱) اعمال کو دکھایا جائے گا۔ (نجم، زلزال) (۲) نیک اعمال کرنے والوں کی تکریم وتعظیم بد اعمال کرنے والوں کی توہین وتذلیل (نجم) (۳) پورا پورا بدلہ۔ (نجم) (۴) نیک اعمال کا بدلہ بڑھا کر بد اعمال کا بدلہ برابر برابر۔ (انعام) فوز، خسران۔ (مومن) جنت، جہنم میں داخلہ۔ (ھود)

جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس کو پل صراط کہا جاتا ہے۔ وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس پر لوہے کے آنکڑے ہوں گے۔ جب لوگ حساب کے بعد پل صراط سے پہلے موقف میں پہنچیں گے تو وہاں اندھیرا ہوگا۔ مومن حسب درجہ اپنے ایمان کی روشنی میں آنکڑوں سے بچتا ہوا اس پل سے گذر جائے گا۔ اور غیر مومن وہیں جہنم میں گر جائے گا۔ آنکڑوں میں پھنستا اور مخدوش ہوگا اور صراط پر تیز اور آہستہ چلنا یہ دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کے اعتبار سے ہوگا۔ ارشاد باری ہے۔ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا. ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا۔ (مریم) اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر۔ پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گناہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے۔

بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کیلئے حسی طور پر میزان قائم کیا جائے گی۔ جس میں دو پلڑے ہوں گے ایک پلڑے میں نیکیاں دوسرے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ کما فی الحدیث۔ ارشاد باری ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ۔ (انبیاء) اور قائم کریں گے ہم میزان عدل قیامت میں سو کی

نفس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو ہم لے آئیں گے اسکو۔ اور کافی ہیں ہم حساب لینے والے۔ فمن ثقلت موازینه فاولئک هم المفلحون ومن خفت موازینه فاولئک الذین خسروا انفسهم فی جهنم خالدون (مومنون) سو جس کا پلڑا بھاری ہو گیا وہ کامیاب ہیں۔ اور جس کا پلڑا ہلکا رہ گیا بس وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا جہنم میں رہیں گے ہمیشہ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان متعدد ہوں گی جبکہ حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک ہوگی لیکن یہ احتمال ہے کہ قرآن میں موازین سے مراد موزونات ہوں۔ اس طرح روایت آیت کے مطابق ہو جائے گی۔

آخر میں مصنفؒ نے بعث کی تعریف کر کے اس بات کو واضح فرمایا کہ بعث سے مراد جسموں کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ معاد روحانی مراد نہیں۔ کفار و مشرکین بھی حشر جسمانی کے اعتبار سے اسکو مستبعد سمجھتے تھے، قرآن کریم نے متعدد جگہ اس کو ثابت کیا اور کفار و مشرکین کا جواب دیا۔ ارشاد باری ہے۔ وضرب لنا مثلا ونسی خلقه قال من یحیی العظام وهی رمیم قل یحییها الذی انشأها اول مرة وهو بکل خلق علیم۔ (یٰس) اور بتلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں۔ تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔ اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى:

"اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے پھر پیدا کریں گے"

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔ کہا اسی میں تم زندہ رہے ہو۔ اسی میں تم مرتے ہو اور اسی سے تمہیں پیدا کیا جائے گا۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جو حشر اجساد پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعث و قیامت کا عقیدہ تمام انبیاء و رسل میں معروف تھا مگر حضور ﷺ سے پہلے کسی نبی نے اس کی پوری تفصیل سے بیان نہیں فرمائی۔ اور جو اسکی

یہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء بلکہ خاتم الائمہ ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے۔ جس کے بعد بعثت وقیامت ہے۔ اور آپ کا لایا ہوا دین کامل ومکمل اور تمام ادیان کو حاوی ہے۔ اس لئے آپ نے اس کی مکمل تفصیل بیان فرمائی ہے۔

(۸۵)وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ لَا يَفْنَيَانِ اَبَدًا وَلَا يَبِيْدَانِ. (۸۶)وَاِنَّ اللهَ تَعَالٰي خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ وَخَلَقَ لَهُمَا اَهْلًا فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلْجَنَّةِ فَضْلًا مِنْهُ وَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ لِلنَّارِ عَدْلًا مِنْهُ. (۸۷)وَكُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا فَرَغَ مِنْهُ وَصَائِرٌ اِلٰى مَا خُلِقَ لَهُ. (۸۸)وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَى الْعِبَادِ.

ترجمہ: (۸۵) اور جنت جہنم پیدا ہو چکی ہیں۔ جو نہ کبھی فنا ہوں گی اور نہ جاتے ہوں گی۔ (۸۶) اور اللہ تعالیٰ نے جنت وجہنم کو انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی بنادیا۔ اور ان کا اہل بھی پیدا کیا۔ ان میں سے جسے چاہے گا اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل کرے گا اور جسے چاہے گا اپنے عدل وانصاف سے جہنم میں داخل کرے گا۔ (۸۷) اور ہر انسان وہی کام کرتا ہے جس کے لئے اس کو فارغ کردیا گیا وہ اس سے وہی کچھ ہوتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (۸۸) اور خیر وشر دونوں بندگان خدا کا مقدر ہے۔

تشریح: (۸۵) اس میں معتزلہ اور قدریہ کی تردید ہے۔ جو کہتے ہیں کہ جنت وجہنم جزاء اعمال کے لئے ہے اور عمل سے پہلے جزاء کی ضرورت نہیں لہٰذا ان کے عمل سے پہلے پیدا کرنا عبث ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں پیدا کریں گے۔ ورنہ یہ جب تک بیکار پڑی رہیں گی۔ ان کا یہ دعوی صریح نصوص کے خلاف ہے جو ایک طرح کی تحریف ہے۔ کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ اور کبھی فنا نہیں ہوں گی ارشاد باری ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (فرقان) اور پیدا کیا ہر چیز کو اور مقرر کیا اس کا اندازہ جنت کے بارے میں فرمایا أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ تیار کردی گئی متقیوں کے لئے۔ جہنم کے بارے میں

فرمایا أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ (آل عمران) تیار کردی گئی کافروں کے لئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا۔ قرآن میں مذکور ہے۔ يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ (بقرہ) نبی اکرم ﷺ نے جنت و جہنم کو جدار قبلہ میں متمثل دیکھا۔ آپ نے معراج میں جنت و جہنم کی سیر کی۔ قرآن میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے دعا کی تھی رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

حدیث طویل میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کو پیدا فرمادیا تو حضرت جبرئیل کو معاینہ کیلئے بھیجا۔ جو ان کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ قبر میں مؤمن اور نیک انسان کے لئے جنت کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ جس سے اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو وغیرہ آتی ہے۔ اسی طرح کافر و فاجر کے لئے جہنم کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ جس سے اس کے پاس جہنم کی گرم ہوا آتی ہے۔ یہ سب حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ جنت و جہنم پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ کبھی فنا نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔ ارشاد باری ہے۔ واما الذين سعدوا ففي الجنة خالدين فيها واما الذين شقوا ففي النار خالدين فيها۔ اور بہر حال جو نیک بخت ہیں سو وہ جنت میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو بد بخت ہیں وہ جہنم میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۸۶) کائنات کی تمام چیزیں انسان کی ضرورت کے لئے ہیں اور ضرورت کی چیز کو طبعی طور پر مقصود سے پہلے پیدا کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم حتیٰ کہ تمام کائنات آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد حضرت انسان کو پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ۔ (اعراف) اور تحقیق ہم نے پیدا کئے جہنم کیلئے بہت جن و انس۔

حضرت آدم و حوا کا جنت میں سکونت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پہلے ہی پیدا کردی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ

أهلاً خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم۔ عن عائشہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کا مستحق پیدا کر دیا۔ ان کو جنت کے لئے اس وقت پیدا کر دیا تھا جبکہ وہ اپنے آباء کی صلب میں تھے۔ اور جہنم کے لئے مستحق پیدا کر دیا۔ اور ان کو جہنم کے لئے اس وقت پیدا کر دیا تھا جبکہ وہ آپ نے آباء کی صلب میں تھے۔

اور اس حقیقت میں راز یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مسخر بطبعہ (۲) متحرک بارادہ۔ مسخر بطبعہ کا مطلب ہے کہ کائنات کی بہت سی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنا تابع فرمان بنایا ہے۔ اور اس کی طبیعت میں اس اطاعت کو پیدا فرمایا۔ اب وہ مخلوق صرف اسی ڈیوٹی کو انجام دے گی جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی اسکے برخلاف اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتی نہ اس میں خلاف ورزی کی طاقت۔

متحرک بارادہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوق کو ارادہ و اختیار عطا فرمایا ہے۔ جو نفع و نقصان کے اعتبار سے اسکے شعور و علم کے تابع ہے۔ جیسے انسان۔

قسم ثانی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) جو صرف خیر کا ارادہ کر سکتی ہے جیسے فرشتے۔ (۲) جو صرف شر کا ارادہ کر سکتی ہے جیسے شیاطین۔ (۳) جس سے دونوں طرح کے ارادے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جیسے انسان۔ اس آخری قسم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ایمان۔ معرفت اور عقل۔ خواہشات پر غالب ہوں۔ یہ قسم ملائکہ صفت ہے۔ (۲) ایمان۔ معرفت اور عقل پر خواہشات غالب ہوں۔ یہ قسم شیاطین صفت ہے۔ (۳) اس کی شہوت بہیمیہ عقل پر غالب ہو۔ یہ چوپایہ صفت ہے۔

پس مناسب تھا کہ انسان کی ہر صنف کیلئے ایک مناسب دار ہو۔ پس ملائکہ صفت انسانوں کیلئے حسب درجات جنت بنائی جس میں بعض کا دخول پہلے مرحلہ میں بعض کا دوسرے مرحلہ میں ہوگا۔ اور شیاطین صفت انسانوں کے لئے حسب درکات جہنم بنائی بعض درجہ اسفل میں ہونگے بعض ان سے اوپر اور ہلکے عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

(۸۷): جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس سے متعلق تمام چیزوں کو مثلاً اس کی عمر۔ روزی۔ اس کا عمل۔ وہ اللہ کے علم میں شقی ہے یا سعید۔ تقدیر میں لکھ

دیا گیا۔ جس میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہوگی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ انسان وہی عمل کرے گا جو اس کے لئے ازل میں لکھے جا چکے ہیں۔ اور اس کا رجحانات انہیں اعمال کی طرف ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ان اعمال کو اس کے لئے کردیں گے۔ ارشاد باری ہے۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ، وَأَمَّا مَنْ اسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ۔ (لیل) پس جس نے دیا اور ڈرا۔ اور تصدیق کی بھلی بات کی تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔ اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو اس کو سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں۔ اعملوا فکل میسر لما خلق لہ (حدیث) عمل کرو۔ ہر ایک کو وہی میسر آئے گا جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

(۹۸) خیر و شر بندہ کا مقدر ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ انسان کی تقدیر میں اگر برائی لکھی ہوئی ہے تو وہ اس کو ضرور کرے گا۔ تو پھر مواخذہ کیوں ہوگا جب وہ اس برائی کے کرنے پر مجبور ہے۔ اس کا جواب ہم نے خلق و کسب کے درمیان فرق کے تحت بیان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر میں صرف یہی نہیں لکھا ہے کہ بندہ گناہ کرے گا بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ گناہ اپنے اختیار و ارادہ سے کرے گا یہ نہیں کہ بندہ اللہ کی تقدیر سابق کی وجہ سے عمل پر مجبور ہے بلکہ اس کے عمل کا سبب اس کا اپنا ارادہ و اختیار ہے جس میں وہ مجبور نہیں اسی لئے اس کے عمل پر ثواب و عقاب مرتب ہوتا ہے اور اس کے عمل کو جنت و جہنم کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (زخرف) یہ جنت ہے جس کا تم کو تمہارے عمل کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (اعراف) اپنے عمل کی وجہ سے عذاب چکھو۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجب اور مسبب اللہ تعالیٰ ہے۔ اور کاسب و فاعل بندہ ہے۔ اور ان میں کوئی منافات نہیں جیسے اللہ تعالیٰ خالق ولد ہے۔ مگر اس تخلیق کا سبب والد ہے۔

لیکن اللہ کی تخلیق اور انسان کے عمل و فعل میں کوئی منافات نہیں ہے۔

(٨٩) وَالْاِسْتِطَاعَةُ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا الْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِي يُوْجَدُ بِهَا الْفِعْلُ نَحْوَ التَّوْفِيْقِ الَّذِيْ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهٖ فَهِيَ مَعَ الْفِعْلِ وَاَمَّا الْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِيْ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَكُّنِ وَسَلَامَةِ الْآلَاتِ فَهِيَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَهُوَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.

ترجمہ: استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ استطاعت جس کے ذریعہ فعل وجود میں آتا ہے جیسے وہ فعل جس سے مخلوق کو متصف نہیں کیا جاسکتا یہ استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے (دونوں لازم و ملزوم ہیں) (۲) وہ استطاعت جو صحت، وسعت، قدرت اور موافق اسباب کی صورت میں میسر ہوتی ہے۔ اس کا وجود فعل سے پہلے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں بناتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

تشریح: یہ بات مشاہدہ کے مطابق ہے کہ انسان میں بہت سے کام کرنے کی قدرت ہے اور بہت سے کاموں کی نہیں۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ انسان نہ قادر مطلق ہے نہ عاجز مطلق۔

مکلف کیلئے استطاعت و قدرت ضروری ہے۔ کیونکہ جس چیز کی بندہ میں طاقت نہ ہو اس کا اسے مکلف بنانا شرعاً ممنوع ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ) اللہ مکلف نہیں بناتا کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ اسی استطاعت و قدرت سے بندہ احکام شرع کا مخاطب ہوتا ہے۔

استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) استطاعت بمعنی قدرت (۲) استطاعت بمعنی صحت۔ اس قسم کو کبھی وسع کبھی تمکن اور کبھی سلامتی اسباب و آلات سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱) پہلی قسم فعل سے پہلے وجود میں نہیں آتی بلکہ جب بندہ واقعے ہوتے فعل کا

ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب اختیار کرنے کے وقت اس فعل کو پیدا فرماتے ہیں اور وہ چیز معرضِ ظہور میں آجاتی ہے۔ یعنی یہ قدرت فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی مثال ارشاد باری ہے۔ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (ھود)۔ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ دیکھتے تھے۔ اس میں حقیقۃً قدرت سمع اور قدرت بصارت کی نفی ہے۔ نہ کہ اسباب و آلات کی کیونکہ وہ تو موجود ہیں۔ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ بے شک تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس میں بھی حقیقۃً قدرت صبر کی نفی ہے۔ نہ کہ اسباب صبر کی وہ تو موجود تھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہاں عتاب اور ملامت کی گئی ہے۔ جبکہ آلات و اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں ملامت نہیں ہوتی ملامت تو اس آدمی کو ہوتی ہے جو فعل نہ کرے اور قدرت فعل دوسرے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے ضائع کردے۔ جس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ یا اس فعل سے غافل رہنے کی وجہ سے جس کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲) دوسری قسم۔ آلات و اسباب اور اعضاء وغیرہ کا صحیح سالم ہونا۔ تاکہ فعل کے کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ یہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ (آل عمران) اللہ کے لئے لوگوں پر مقرر ہو چکا حج بیت اللہ کا جو طاقت رکھتا ہو اس تک راہ چلنے کی۔ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (نساء) اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے مسلمان بیبیاں تو نکاح کرلے ان سے جو تمہارے ہاتھ مال ہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن) "سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے"۔

استطاعت کی یہ دونوں قسمیں مومن و کافر سب کے لئے عام ہیں۔ اور ہر فعل کے لئے عام ہیں۔ خواہ فعل حسن ہو یا قبیح۔ مگر قدرت کی ایک قسم اور ہے۔ جس کو توفیق ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی بندہ کسی فعل حسن کے اسباب اختیار کرتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اگر اللہ کی جانب سے اس کے کرنے کی توفیق مل

گئی تو وہ کام ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ استطاعت کی یہ قسم مؤمن کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ توفیق فضل الٰہی ہے۔ اور کافر اس کا محل نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً (حجرات) مگر اللہ نے محبت ڈالدی تمہارے دل میں ایمان کی اور اچھا دکھلا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈالدی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔ فمن یرد اللہ ان یهدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد لن یضله یجعل صدره ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یؤمنون۔ (انعام) پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہدایت دے تو کھول دیتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے اور جس کو چاہتے ہیں کہ گمراہ کرے تو اس کا سینہ خوب تنگ کر دیتے ہیں گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے گندگی ان لوگوں پر جو مؤمن نہیں۔

مصنفؒ کے قول احدھما سے یہی قسم مراد ہے۔ معتزلہ اس قسم کو جمیع مخلوق کے لئے عام قرار دیتے ہیں۔ مصنفؒ نے الذی لا یجوز الخ کے ذریعہ اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور کفار محل فضل نہیں۔

مصنفؒ نے استطاعت کی مذکورہ دو قسمیں بیان کی ہیں۔ تیسری قسم کی مستقل عنوان کے ساتھ صراحت نہیں کی۔ البتہ ان دونوں قسموں میں اس کے اوصاف بیان کر دیئے تاکہ معتزلہ کا رد ہو جائے۔ پس تیسری قسم ان دونوں قسموں سے مستفاد ہے۔

نیز مصنفؒ نے التی یوجد بها الفعل کہہ کر معتزلہ اور قدریہ کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ استطاعت فعل سے قبل نہیں ہوتی۔ معتدل قول اہل حق کا ہے۔ جو ابھی اوپر نقل کیا گیا کہ استطاعت ایک قسم فعل سے پہلے ہوتی ہے اور ایک قسم فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔

(۹۰) وأفعال العباد هي خلق الله وكسب ومن العباد.
(۹۱) ولم يكلفهم الله إلا ما يطيقون ولا يطيقون إلا ما كلفهم وهو تفسير لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم نقول لا حيلة لأحد ولا حول لأحد ولا حركة لأحد عن معصية الله إلا بمعونة الله ولا قوة لأحد على إقامة طاعة الله والثبات عليها إلا بتوفيق الله.

ترجمہ: (۹۰) اور بندگان خدا کے افعال اللہ کی مخلوق اور بندوں کا کسب ہیں۔
(۹۱) اور اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں بنایا بندوں کو مگر انہیں کاموں کا جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں۔ اور وہ طاقت نہیں رکھتے مگر انہیں کاموں کی جس کے وہ مکلف بنائے گئے ہیں اور لاحول ولا قوۃ الخ کا مفہوم یہی ہے۔ (جس کی وضاحت میں) ہم کہتے ہیں۔ اللہ کی مدد کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنے میں نہ کسی کا کوئی بس چلتا نہ کسی کی طاقت کا زور نہ کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر حرکت کر سکتی اور اللہ کی توفیق کے بغیر اس کی طاعت پر قائم اور ثابت قدم رہنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

تشریح: (۹۰) اس عبارت سے مصنف نے جبریہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے۔ جبریہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی تدبیر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ افعال کا خالق ہے نہ کاسب۔ معتزلہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔ کہ بندہ ہی اپنے افعال کا خالق وکاسب ہے اللہ نہیں یہ دونوں نظریے باطل ہیں اور بے دلیل ہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ کاسب افعال ہے اور اللہ تعالیٰ خالق افعال۔ ارشاد باری ہے واللہ خلقکم وما تعملون۔ (صافات) بندے کے اسی کسب واختیار پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت (بقرہ) نیکی کا ثواب ہے اس کا جو اس نے کیا اور اس پر گناہ ہے اس کا جو اس نے کیا۔

(۹۱) تکلیف ووسعت مساوی ہیں۔ جس طرح تکلیف بقدر وسعت ہے اسی طرح وسعت بقدر تکلیف ہے۔ ارشاد باری ہے لا یکلف اللہ نفسا إلا

وُسْعَهَا (بقرہ) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (بقرہ) اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔

(۹۲) وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ غَلَبَتْ مَشِيئَتُهُ الْمَشِيئَاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَاؤُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ (۹۳) وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ أَحَدًا لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

ترجمہ: (۹۲) کائنات کی ہر چیز اللہ کی مشیت اور قضاء وقدرت سے جاری ہے۔ نیز اس کی مشیت تمام مشیتوں (سب کے ارادوں) پر غالب اور اس کا فیصلہ تمام تدبیروں پر غالب ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۹۳) اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔

تشریح: (۹۲) نظام خداوندی دو طرح کا ہے۔ (۱) تشریعی: جس میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کیلئے کتاب وشریعت دے کر انبیاء کرام کو بھیجا گیا۔ (۲) تکوینی: جس میں کائنات کا نظام اللہ کی قدرت ومشیت اور اسکی قضاء کے مطابق چلتا ہے۔ یعنی موت وزندگی، عمر، رزق، راحت وآسانی، مصیبت وپریشانی، نجات وہلاکت۔ ان خدمات کے لئے عام طور سے ملائکۃ اللہ مقرر ہیں مگر زمرہ انبیاء میں بھی حق تعالیٰ نے بعض کو اس قسم کی خدمت کیلئے مخصوص کرلیا ہے جیسے خضر علیہ السلام۔

یہاں قضا سے قضاء کونی ہی مراد ہے۔ نہ کہ شرعی۔ اسلئے کہ قضا کی بلکہ ارادہ، امر، اذن، کتاب، حکم، تحریم اور کلمات وغیرہ کی دو قسمیں ہیں (۱) کونی (۲) شرعی۔

قضاء کونی: جیسے فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ (فصلت) پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں۔

قضاء دینی شرعی: جیسے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ (اسراء) ارادہ کونی جیسے فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ الخ (انعام) ارادہ

شرعی۔ جیسے یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ) اور کونی جیسے اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰس) صرف اس کا امر جب ارادہ کرتا کسی چیز کا یہ ہے کہ کہتا ہے کن۔ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔

امر شرعی: جیسے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ۔ (نحل) بلا شبہ اللہ حکم دیتا ہے عدل و احسان کا الخ۔

اذن کونی: جیسے وَمَا بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ) اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم خداوندی۔

اذن شرعی: جیسے۔ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (حشر) جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے۔

کتاب کونی: جیسے وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ (فاطر) اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا۔ اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔

کتاب شرعی: جیسے وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (مائدہ) اور فرض کر دیا ان پر ہم نے اس میں کہ نفس کے بدلے نفس ہے۔

حکم کونی: جیسے، فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْ اَبِیْ اَوْ یَحْکُمَ اللّٰهُ لِیْ (یوسف) سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو میرا باپ یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف۔

حکم شرعی: جیسے، اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ (مائدہ) حلال کر دیئے گئے تمہارے لئے چوپائے۔ مویشی سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائی جاویں گی۔ مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں۔ اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے۔

تحریم کونی: جیسے، فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی

الْأَرْضِ۔ (مائدہ) سو یہ حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس۔ سر مارتے پھریں گے ملک بھر میں۔

تحریم شرعی: جیسے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ۔ (مائدہ) حرام کردیا گیا تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت۔

کلمات کونی: جیسے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا۔ (اعراف) اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر۔ بسبب ان کے صبر کرنے کے۔

کلمات شرعی: جیسے وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ۔ (بقرہ) اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے کلمات سے سو پورا کردیا اس نے انکو۔

ان تمام اقسام وحقائق کی روشنی میں یہ معلوم ہو گیا کہ بندہ کا فعل اللہ کے ارادہ اس کی قضا وقدرت اور علم ومشیت تکوینی وتشریعی کی اجازت سے ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کا ارادہ غیر بندہ کے ارادہ کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اس میں جبریہ کی تردید کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ تردید کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کے افعال میں مجبور نہیں بنایا۔ تخلیق افعال تو اللہ ہی کی صفت ہے۔ لیکن فعل کا ارادہ اور کسب واختیار بندہ کو حاصل ہے۔ مگر بندہ کا ارادہ مستقل نہیں جو اس کو اللہ سے مستغنی کردے۔ بلکہ بندہ کے ارادہ اور مشیت میں اللہ کے ارادہ اور مشیت سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

پس مصنفؒ کی عبارت میں حیلہ وحرکت کی نفی تو بندہ سے کی گئی ہے مگر کسب وارادہ کی نفی نہیں کی گئی ہے اعمال کی تخلیق اسی کسب وارادہ پر ہوتی ہے۔ کما مر تفصیله

(۹۳) اللہ تعالیٰ ظلم ورنج یعنی تمام اچھے برے افعال کا خالق ہے۔ اور ظلم کرنے پر قادر بھی ہے مگر اس کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ قدریہ اور جبریہ بنی آدم جو ظلم وقبح کرتا ہے اس کا ذمہ دار اللہ کی ذات کو ٹھہراتے ہیں۔

حالانکہ اللہ کی ذات ان تمام افعال قبیحہ سے منزہ ہے۔ ارشاد باری ہے ما انا لیس بظلام للعبید۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی۔ میں ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ پھر ظلم نام ہے ملک غیر میں تصرف کا۔ اور تمام کائنات اللہ ہی کی ملک ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پس کون وامر میں اس کا تصرف اس کی اپنی ملک میں تصرف ہے۔ نہ کہ ملک غیر میں تو ظلم کہاں سے ہوا۔

اسی طرح اللہ کی ذات سے اس کے کسی فعل کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی کیونکہ سوال اس شئی پر ہوتا ہے جو خلاف حجت ہو۔ جبکہ اللہ کی ذات خود حجت ہے۔ بلکہ حجتوں کی حجت ہے۔ کیونکہ حجت کے لئے ضروری ہے کہ وہ حق اور عدل کے ساتھ متصف ہو۔ اور حق وعدل اللہ کی ذات ہے۔ پس اللہ کی ذات سے کون سوال کرے اور کس حجت سے کرے۔ مخلوق میں یہ بات نہیں ہے اس لئے خالق ان کے افعال کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔

(٩٤) وَفِي دُعَاءِ الْأَحْيَاءِ وَصَدَقَاتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلْأَمْوَاتِ (٩٥)
وَاللّٰهُ تَعَالَىٰ يَسْتَجِيبُ الدَّعَوَاتِ (٩٦) وَيَقْضِي الْحَاجَاتِ
(٩٧) وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ وَلَا يَمْلِكُهُ شَيْءٌ (٩٨) وَلَا غِنَىٰ عَنِ
اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنَىٰ عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَقَدْ كَفَرَ وَكَانَ
مِنْ أَهْلِ الْحَيْنِ (٩٩) وَاللّٰهُ يَغْضَبُ وَيَرْضَىٰ لَا كَأَحَدٍ مِنَ الْوَرَىٰ.

ترجمہ: (۹۴) اور مردوں کے لئے زندوں کا دعا کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا نفع بخش ہے۔ (۹۵) اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے (۹۶) اور حاجتوں کو پوری کرتا ہے۔ (۹۷) اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور کوئی اس کا مالک نہیں۔ (۹۸) اور کوئی بھی ایک لمحے کے لئے اللہ کی ذات سے بے نیاز نہیں۔ اور جو ایک لمحے کے لئے بھی اللہ سے بے نیاز ہوگیا تو وہ کافر ہے۔ اور ہلاکت زدہ لوگوں میں شمار ہے۔

(٩٩) اور اللہ تعالیٰ غضبناک بھی ہوتا ہے اور راضی بھی لیکن اس کی ناراضی اور خوشی مخلوق جیسی نہیں ہے۔

تشریح: اہل سنت والجماعت کا متفق عقیدہ ہے کہ مردوں کے لئے دعاء واستغفار اور صدقہ وخیرات نفع بخش ہے۔ کتاب وسنت میں اس کی صراحت منقول ہے۔ اس میں معتزلہ کی تردید کی گئی ہے۔ جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو اجماع اور نصوص کے خلاف ہے۔ مصنفؒ نے ایصال ثواب کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔ (١) دعاء واستغفار۔ ارشاد باری ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (حشر) اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد اے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں۔

نماز جنازہ کی مشروعیت، دفن کے وقت اور زیارۃ قبر کے وقت کی احادیث میں منقول دعائیں ان سب کا مقصد استغفار وغیرہ ہی ہے۔

(٢) صدقہ وخیرات یعنی عبادت مالیہ جیسا کہ حدیث عائشہ میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بعد اپنی مرحومہ ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔

(٥٥) ارشاد باری ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مومن) مجھ سے مانگو میں تمہاری دعاء قبول کروں گا۔ دعاء عبادت کا مغز، حصول منفعت اور دفع مضرت کا قوی ذریعہ ہے۔ حتیٰ کہ اس نکتہ کو کافروں نے بھی سمجھا ہے چنانچہ حالت اضطرار میں کافروں کا اللہ سے دعاء کرنا قرآن مجید میں منقول ہے۔ فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (عنکبوت) پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کر کے اس کے لئے اطاعت۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ (ابن ماجہ) جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔ جبکہ مخلوق کا حال یہ ہے کہ وہ سوال کرنے سے غصہ ہوتی ہے۔

وَالرَّبُّ یَغْضَبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَهٗ   وَبُنَیُّ آدَمَ حِیْنَ یُسْئَلُ یَغْضَبُ

(۹۶) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (نمل) بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے اور دور کرتا ہے سختی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم اسباب میں اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ شریعت اسباب کو نہ معطل کرتی نہ مؤثر بالذات سمجھتی۔ پس کلی طور پر اسباب کی طرف التفات شرک فی التوحید اور ذلت ہے۔ اور اسباب کو بالکلیہ لغو قرار دینا عقل کی کوتاہی اور انانیت ہے۔ اور اللہ پر توکل کے ساتھ اسباب اختیار کرنا عبدیت ہے۔

(۹۷) ارشاد باری ہے لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْھِنَّ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (مائدہ) اللہ کے لئے آسمان وزمین کی ملکیت اور جو ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی بے نیاز نہیں سب اللہ کے محتاج ہیں۔ یعنی تمام مخلوق اپنے وجود وبقا۔ موت وحیات۔ رزق وکسب۔ حرکات وسکنات وغیرہ تمام چیزوں میں اللہ کی محتاج ہے۔ کیونکہ محتاج مطلق غنی مطلق سے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر) اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز قابل ستائش ہے۔

(۹۹) دیگر صفات کی طرح اللہ کے لئے صفت رضا وغضب بھی حقیقۃً ثابت ہے۔ لیکن ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کی صفت رضا وغضب مخلوق کی رضاء وغضب کی طرح نہیں ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الآیۃ) اس کی صریح دلیل ہے کہ کوئی شئی ذات وصفات میں اس کے مشابہ نہیں ہے۔ جس طرح ملائکہ کا غضب منکرین پر۔ ضروری نہیں کہ انسان کے غضب کے مماثل ہو اس لئے کہ ملائکہ میں وہ چار عناصر نہیں ہیں جو انسان میں پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا خون قلب جوش مارتا ہے۔ پس اللہ کا غضب مخلوق کے غضب کے مماثل کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ مخلوق کسی بھی طرح اس کے مشابہ

نہیں۔ اسکے اندر صفت رضا و غضب ان کی شایان شان ہے۔ اس لئے ہم انکی ایسی تاویل بھی نہیں کریں گے جو ان کو اس کی شایان شان حقیقت سے پھیر دے۔ اگرچہ یہ صفات ذات باری اور انسان دونوں کیلئے استعمال ہوتی ہیں مگر یہ اشتراک صرف لفظی ہے، معنوی نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور تیار کیا ہے اس کے لئے بڑا عذاب۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (توبہ) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

(۱۰۰) وَنُحِبُّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا نُفَرِّطُ فِيْ حُبِّ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّاُ مِنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنُبْغِضُ
مَنْ يُّبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْحَقِّ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ اِلَّا بِالْخَيْرِ
وَحُبُّهُمْ دِيْنٌ وَّاِيْمَانٌ وَّاِحْسَانٌ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَّنِفَاقٌ وَّطُغْيَانٌ.

ترجمہ: اور ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ان میں سے کسی سے برأت ظاہر کرتے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھتا ہے۔ اور برے انداز سے انکا نام نہیں لیتا۔ اور ہم ان کا تذکرہ نہیں کرتے مگر خیر کے ساتھ۔ اور ان سے محبت دین ایمان اور احسان کی علامت ہے۔ اور ان سے بغض کفر نفاق اور سرکشی ہے۔

توضیح: اصحاب صاحب کی جمع ہے۔ ساتھی۔ صحابی رسول۔ تفرط باب افعال غلو کرنا حد سے بڑھنا۔ تتبرأ باب تفعل بیزار ہونا برأت ظاہر کرنا۔ بغض۔ دشمنی۔ نفرت۔ کفر ایمان کے خلاف عقیدہ۔ نفاق۔ دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا۔ طغیان ظلم ونافرمانی میں حد سے بڑھنا۔

تشریح: نبی اکرم ﷺ کے بعد دین کے حاملین اور اس بار امانت کے اٹھانے والے صحابہ کرام ہیں۔ جس سے ان کی فضیلت، عظمت اور تقدیس ظاہر ہے۔ قرآن وحدیث انکے فضائل ومناقب سے پر ہیں۔ رضوان اور محبت الٰہی کا پروانہ انہیں دنیا ہی میں سنا دیا گیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

عنهٗ۔ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ۔ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبوب ہیں۔ اس لئے انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ مخلوق کے بھی محبوب ہونے چاہئیں اور ہر فرد بشر کو ان کے ہر فرد سے بلا تخصیص عقیدت مندانہ محبت ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی محبت کو اپنی محبت اور صحابہ سے بغض کو اپنے بغض کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ فرمایا اللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَاتَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِيْ غَرَضًا فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی سو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا سو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا۔ اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اس کا مواخذہ ہو۔

البتہ اس محبت واعتقاد میں شیعہ حضرات کی طرح افراط وتفریط سے پاک وصاف رہنا ضروری ہے۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کو بڑھا دیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کو ان کی شایان شان مقام پر فائز رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ خوارج نے حضرت علی وعثمان اور اہل بیت سے برائت ظاہر کی ہے یہ دونوں نظریے غلط اور گمراہ کن ہیں۔ ارشاد باری ہے لا تغلوا فی دینکم اپنے دین میں غلو نہ کرو۔

صحابہ کا تذکرہ ان کے فضائل ومناقب اور ان کی عملی دینی زندگی اور اسلامی خدمات کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ صاحب شریعت ﷺ نے ان کے بارے میں اپنے بعد خیرامت ہونے کی خبر دی ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ زمانوں میں بہتر میرا زمانہ۔ پھر اس سے ملا ہوا پھر اس سے ملا ہوا۔

تمام صحابہ عدول ہیں۔ معیار حق ہیں۔ کیونکہ تمام صحابہ صحبت نبی سے فیضیاب، زیارت نبی سے مشرف۔ آپ کی تعلیمات سے بلاواسطہ محظوظ ہونے والے

اور ان کے بدن، روح، اور قلوب انوار نبوت سے منور و مجلّٰی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا عالم، فقیہ، مجتہد، صوفی، قطب، غوث، اور ولی صحابی کے بھی ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا گیا۔ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز؟ تو آپ نے نہایت منصفانہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک پر جو غبار بیٹھا تھا۔ اس گرد و غبار کے برابر بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کا مقام نہیں ہے۔

اس لئے صحابہ سے محبت ایمان و دین میں داخل ہے کیونکہ صحابہ سے محبت آپ ہی کی وجہ سے ہے۔ اور آپ سے محبت اصل ایمان ہے۔ پس آپ کے واسطے صحابہ سے محبت بھی اصل ایمان میں سے ہے۔

صحابہ سے بغض و عداوت، برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا، ان کو سب و شتم کرنا، ان کی شان میں گستاخی کرنا، تنقید و ملامت کا نشانہ بنانا، ناجائز ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسا شخص واجب القتل اور بعض کے نزدیک واجب التعزیر ہے۔

حضرات شیعہ، خوارج اور مودودی سب صحابہ کی شان میں گستاخ ہیں صرف نوعیت جدا گانہ ہے۔ ان میں مودودی زیادہ خطرناک ہیں جو صحابہ پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ۔ وہ بھی انسان ہیں ہم بھی انسان ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی نظر میں اس طرح کے فرقے گمراہ ہیں۔ کیونکہ صحابہ سے بغض حدیث کی تصریح کے مطابق بغض نبی کی دلیل ہے۔ اور نبی سے بغض کفر و طغیان ہے۔ اس لئے صحابہ سے بغض بھی کفر و طغیان اور نفاق ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کا نظریہ اور عقیدہ صحابہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ان کو انبیاء کی طرح معصوم نہیں مانتے۔ اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہم جیسے مردوں کی طرح اچھے برے اعمال کرتے تھے۔ یعنی نہ تو ان کی تعریف میں مبالغہ کر کے انہیں انبیاء کا درجہ دیتے اور نہ ان کی تنقیص کر کے عام مردوں کے درجہ میں انہیں اتارتے۔

(۱۰۱) وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا لِاَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَفْضِيْلًا لَهُ وَ تَقْدِيْمًا عَلٰى جَمِيْعِ الْاُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ هُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَ الْاَئِمَّةُ الْمَهْدِيُّوْنَ

ترجمہ: (۱۰۱) اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت (کا اولین درجہ) ثابت کرتے ہیں تمام امت میں ان کے افضل اور فائق ترین ہستی ہونے کی وجہ سے پھر (دوسرا درجہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیلئے پھر (تیسرا درجہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے پھر (چوتھا درجہ) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے ثابت کرتے ہیں اور یہ خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ امت کے امام ہیں۔

تشریح: (۱۰۱) تمام صحابہ میں افضل خلفاء راشدین ہیں اور خلفاء راشدین میں بلکہ انبیاء کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ ہیں، خلافت کی ترتیب بھی فضیلت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ ان چاروں صحابہ کی خلافت کے حق ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت ۲ سال ۳ ماہ تک رہی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ساڑھے دس سال رہی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت ۱۲ سال تک رہی حضرت علیؓ کی خلافت ۴ سال ۹ ماہ تک رہی۔ اور حضرت حسنؓ کی خلافت ۶ ماہ تک رہی۔ پھر انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کر لی تھی اس طرح خلافت راشدہ کا یہ تیس سالہ دور ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اسکے بعد بادشاہت و سلطنت کا دور ہے حضرت امیر معاویہ مسلمانوں میں سب سے پہلے بادشاہ ہیں اور تمام مسلم بادشاہوں میں سب سے افضل ہیں۔

تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی حضرت ابو بکرؓ نے اپنی حیات کے آخری دور میں صحابہ کے اتفاق سے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد

مقرر کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے آخری دور میں چھ نفری کمیٹی کے ذریعہ باتفاق صحابہ حضرت عثمانؓ کو مقرر کیا، حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو وہ اپنا خلیفہ نہیں بنا سکے اسلئے انصار و مہاجرین میں سے ارباب حل و عقد نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی کیونکہ اب روئے زمین پر آپ ہی سب سے افضل تھے۔

(۱۰۲) وَإِنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ وَهُمْ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَزُبَيْرٌ وَسَعْدٌ وَسَعِيْدٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُمْ أُمَنَاءُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: (۱۰۲) اور بلاشبہ وہ دس صحابہ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نام بنام) تصریح فرمادی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے اور آپ کا یہ فرمان برحق ہے اور وہ دس حضرات (عشرہ مبشرہ) یہ ہیں (۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت طلحہؓ (۶) حضرت زبیرؓ (۷) حضرت سعدؓ (۸) حضرت سعیدؓ (۹) حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ (۱۰) حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ اور یہ سب اس امت کے امین کہلاتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تشریح: (۱۰۲) ان حضرات کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، ارشاد ہے أَبُوْ بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ (ترمذی) وَفَضَائِلُ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصٰى۔

(۱۰۳) وَ مَنْ اَحْسَنَ الْقَوْلَ فِي أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ (۱۰۴) وَ عُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ الصَّالِحِيْنَ السَّابِقِيْنَ وَ التَّابِعِيْنَ وَ مَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَ الْأَثَرِ وَالْفِقْهِ وَ النَّظَرِ لَا يُذْكَرُ إِلَّا بِالْجَمِيْلِ وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلَى غَيْرِ السَّبِيْلِ (۱۰۵) وَلَا نُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ

ترجمہ: (۱۰۳) اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ اولاد کی شان میں اچھی گفتگو کی (انہیں ہر قسم کے اخلاقی عیل وگندگی سے پاک سمجھا) تو وہ نفاق سے بری ہے۔ (۱۰۴) اور علماء سلف صالحین یعنی صحابہ و تابعین اور بعد میں آنے والے خیر و بھلائی والے اہل حدیث، اہل فقہ و نظر ہیں، ان کا تذکرہ اچھے انداز میں ہونا چاہئے، جس نے انہیں برے انداز میں یاد کیا وہ یقیناً راستے پر نہیں ہے (۱۰۵) اور ہم کسی ولی کو کسی نبی پر فضیلت نہیں دیتے۔

توضیح: ازواج جمع زوج بمعنی بیوی۔ ذریات جمع ذریۃ: اولاد، نسل

تشریح: (۱۰۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِيْ غَرَضًا. میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِيْ ثَلَاثًا. رواہ مسلم میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا حوالہ دیکر تین چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِي أَهْلِ بَيْتِهٖ (رواہ البخاری) محمد کا خیال رکھو اس کے اہل بیت میں سے۔

ان روایات کی روشنی میں اصحاب رسول، ازواج مطہرات وغیرہ سے حسن عقیدت رکھنا اور ان کی عملی زندگی کو معیار حق سمجھنا اصل ایمان اور کمال طاعت ہے، اور ان سے بغض وعناد رکھنا، بدگمانی اور سب و شتم کرنا، ملامت و تنقید کا نشانہ بنانا اور ریا وسمعہ اور ریاء ان کی ثناخوانی اور مدح سرائی کرنا نصوص کی مخالفت، ایمان سے دشمنی

اور نفاق سے بڑھ کر نفاق ہے۔

(۱۰۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کثیرہ میں صحابہ کرام کی عظمت، فضیلت و منقبت اور عدل و امانت بیان فرمائی ہے ارشاد رسول ہے اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِیَارُکُمْ (مشکوۃ) میرے صحابہ کی تعظیم کرو اس لئے کہ وہ تم سب میں بہتر ہیں۔

اَلنُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَنَا اَتَى اَصْحَابِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ وَ اَصْحَابِیْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِیْ اَتَى اُمَّتِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ. (رواہ مسلم)

ستارے آسمان کی حفاظت کا ذریعہ ہیں جب ستارے ختم ہو جائیں گے (قرب قیامت میں) تو آسمان پر وہ حوادث آئیں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے (ٹوٹ پھوٹ، خرق والتیام) اور میں اپنے صحابہ کی حفاظت کا ذریعہ ہوں پس جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ حالات آئیں گے جن کا ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کی حفاظت کا ذریعہ ہیں پس جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ حالات آئیں گے جن کا ان کے متعلق وعدہ کیا گیا ہے۔ (علامات قیامت کا ظہور)

اسی لئے اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے اِنَّ الصَّحَابَةَ کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ حُبُّهُمْ دِیْنٌ وَ بُغْضُهُمْ نِفَاقٌ۔ بے شک تمام صحابہ عادل ہیں ان سے محبت دین اور ان سے بغض نفاق ہے۔ صحابہ کے بعد آپ نے تابعین کے خیر امت ہونے کی شہادت دی ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ۔ (حدیث)

آپ نے علماء امت کی بھی شان جمیل بیان فرمائی ہے اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ (حدیث) بے شک علماء انبیاء کے وارثین ہیں۔

اہل حدیث و اہل فقہ و نظر کیلئے بھی آپ نے دعا کی ہے نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءً

سمع منّا شيئًا فبلّغه كما سمعه فربّ مبلّغ أوعى له من سامع اللہ تعالیٰ اس آدمی کو خوش رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر سننے کے مطابق اس کی تبلیغ کی پس بسا اوقات مبلغ سامع سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ، تابعین، علماء، محدثین، فقہاء، اولیاء اللہ سے محبت، حسن عقیدت اور ان کا ذکر بالخیر مسلمانوں پر لازم ہے۔ ان کی برائی اور توہین سے اجتناب ضروری ہے آج کل لوگوں نے علماء کو مطعون کرنے کا مشغلہ بنا رکھا ہے جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے مضر ہے اور علماء کی توہین بحیثیت علماء کفر ہے۔

(۵۰) اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کوئی ولی نبی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا نبوت کا مقام ولایت سے اونچا ہے۔ ہر نبی ولی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ولی نبی ہو کیونکہ (۱) ولی نبی کی اتباع سے بنتا ہے، معلوم ہوا کہ نبی اصل اور ولی اس کی فرع ہے اور اصل، فرع سے افضل ہوتی ہے (۲) نبوت وہبی اور اللہ کی جانب سے اجتباء یعنی انتخاب ہے اور ولایت کسبی ہے، بندہ کے اللہ کی طرف انابت یعنی رجوع کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور اجتباء انابت سے افضل ہے۔ (۳) نبی معصوم ہوتا ہے، قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ بھی اور ولی نہ قبل الولایت معصوم ہوتا ہے نہ بعد الولایت، بلکہ غیر معصوم ہوتا ہے اور معصوم غیر معصوم سے افضل ہوتا ہے۔ (۴) تمام صحابہ متقی ہیں، درجہ بدرجہ قرآن وحدیث نے اس کی شہادت دی ہے اور صحبت نبی کی وجہ سے ان صفات سے متصف ہیں جن سے ولی متصف نہیں، اس کے باوجود صحابہ کا مقام نبوت سے بڑھ کر نہیں کیونکہ ان میں یہ شان تقدس علوم نبوت سے پیدا ہوتی ہے تو ولی کو یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ولایت تمام متقین بلکہ تمام مومنین میں مشترک ہے۔ إن أولياؤه إلا المتقون، اس لئے عام چیز خاص پر کیسے فوقیت حاصل کر سکتی ہے؟ ان مختلف وجوہ ترجیح کی وجہ سے ولایت کا مقام نبوت سے نہیں بڑھ سکتا۔ بعض افراط پسندوں اور مطلب پرستوں کا یہ کہنا کہ مقام ولایت نبوت سے اعلیٰ وافضل ہے غلط ہے اور صریح نصوص کے خلاف ہے۔

(۱۰۶) وَنَقُولُ نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيعِ الْأَوْلِيَاءِ (۱۰۷)
وَنُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ
(۱۰۸) وَنُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوجِ الدَّجَّالِ وَنُزُولِ
عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ وَخُرُوجِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ۔

ترجمہ: (۱۰۶) اور (بلکہ) ہم اعتقاداً کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے (۱۰۷) اور ہم اولیاء سے ظاہر ہونے والی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں اور ان سے مروی ثقہ روایات کو صحیح مانتے ہیں (۱۰۸) اور ہم قیامت کی علامات پر یقین رکھتے ہیں مثلاً دجال کی آمد، عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے نزول فرمانا، یاجوج ماجوج کا خروج۔

تشریح: (۱۰۶) ارشادِ رسول ہے أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔ (رواہ الترمذی) میں اولین اور آخرین میں معزز ہوں۔ اس حدیث سے آپ کا تمام اولیاء اولین و آخرین بلکہ تمام انبیاء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا اور نفسِ نبوت میں تمام انبیاء مشترک ہیں اسلئے تمام انبیاء کا تمام اولیاء سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

(۱۰۷) کرامت اور معجزہ کہتے ہیں خوارقِ عادت امور کا ظاہر ہونا محض اللہ کے کسی مقبول بندے کے ہاتھوں ظاہر ہونا۔ اگر یہ خرقِ عادت نبی کے ہاتھوں ظاہر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر کسی ولی یا بزرگ کے ہاتھوں ظاہر ہو تو کرامت کہلاتا ہے اور اگر ولی کے علاوہ کسی اور سے ظاہر ہو تو تخیل اور استدراج کہلاتا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خرقِ عادت امر ظاہر ہونے کیلئے ایمان شرط نہیں اس طرح کی باتوں کا ظہور غیر مؤمن سے بھی ہو جاتا ہے، مگر ولی کیلئے دینداری اور اس پر استقامت شرط ہے۔ اس لئے تنہا خوارق کا ظہور عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس کا معیار اصل دین ہے اگر وہ دیندار ہے تو وہ عنداللہ مقبول ہے ورنہ مردود، خواہ اس سے کتنے ہی خوارق ظاہر ہوں۔ ولی کی کرامت معجزاتِ انبیاء کا اثر ہے جیسا کہ متقی عالم کا علم علمِ انبیاء کا اثر ہے اور حسنِ اخلاق انبیاء کے اخلاق کی فرع ہے۔

کرامتِ اولیاء کا ثبوت کتاب و سنت سے ہے اسی لئے محدثین نے اپنی کتابوں میں

باب الکرامات کا عنوان قائم کیا ہے اور صحابہ اور انکے بعد اولیاء کی کرامت نقل کی ہیں

(۱) حضرت مریم کی کرامت قرآن میں مذکور ہے (۲) حضرت عمرؓ کے خط سے دریائے نیل جو خشک ہو گیا تھا جاری ہو گیا (۳) نہاوند میں آپ کا لشکر جنگ میں معروف ہے آپ نے مدینہ میں جمعہ کے خطبہ کے دوران کہا یا ساریۃ الجبل. تو لشکر کے لوگوں نے اس کو سنا۔ (۴) شدید تاریک رات میں اسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشیرؓ حضور کے پاس سے جا رہے تھے تو ان کی لاٹھی روشن ہو گئی جس سے انہیں روشنی مل گئی (۵) حضرت ابو بکرؓ کے پاس کچھ مہمان کھانا کھا رہے تھے جتنا کھانا وہ کھاتے تھے اس سے زیادہ وہ کھانا بڑھتا جاتا (۶) سعید بن مسیب تابعی حرہ کے دنوں میں جب مسجد نبوی میں تین دن اذان نہیں ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے ہلکی سی آواز سنی اور اس سے نماز کا وقت پہچانا (۷) مولی رسول حضرت سفینہؓ ایک سفر میں قافلہ سے کسی وجہ سے الگ ہو گئے اور راستہ بھول گئے تو راستہ میں ایک شیر ملا اور اس سے کہا اے ابو الحارث (شیر کی کنیت) میں غلام رسول راستہ بھول گیا ہوں مجھے راستہ بتاؤ تو شیر ان کے ساتھ چلا اور رستہ بتایا۔ اس طرح کی بیشمار کرامات ہیں جن کو یہاں شمار نہیں کرایا جا سکتا ہم ان سب کرامات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۰۸) قرب قیامت میں کچھ علامتیں ظاہر ہوں گی جو اس بات کا پتہ دیں گی کہ اب قیامت قریب ہے ان علامتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہاں بیان فرمایا ہے اور کچھ علامتیں قرآن کریم میں بھی بیان کی گئی ہیں مثلاً (۱) دخان (۲) دجال کی آمد (۳) زمین سے ایک چوپایہ کا نکلنا (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) عیسیٰ بن مریم کا نزول فرمانا (۱) یاجوج ماجوج کا خروج (۷) تین خسوف ایک مشرق میں ایک مغرب میں ایک جزیرۂ عرب میں (۸) یمن سے ایک آگ چلے گی جو لوگوں کو حشر تک لیجائے گی ارشادات باری یہ ہیں۔ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ. اور جب ان پر بات ثابت ہو جائے گی تو پیدا کریں گے ہم زمین (صفا پہاڑی) سے ایک چوپایہ جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔

حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ. (انبیاء) یہاں تک کہ جب (سکندر ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار ٹوٹ جائے گی جس کے ذریعہ تو میاجوج ماجوج کا راستہ بند کر رکھا ہے تو) یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے چلے آئیں گے (اور دنیا میں فساد پھیلائیں گے پھر ایک بیماری پھیلے گی جس سے وہ سب مر جائیں گے)

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا. (انعام) جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی نہ کام آئے گا کسی نفس کو اس کا ایمان جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی" یعنی جب سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا تو اسکے بعد نہ کسی کافر کا ایمان قبول ہوگا نہ کسی فاسق کی توبہ"

حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ جو مسیح ہدایت ہیں آسمان سے مسجد اقصیٰ کے مینارہ پر نزول فرمائیں گے امام مہدی کی اقتداء کریں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے جو مسیح ضلالت ہے جس کی ایک آنکھ کانی ہوگی اور اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا۔ (مختصر از حدیث)

(۱۰۹) وَلَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا وَلَا عَرَّافًا (۱۱۰) وَلَا مَنْ يَدَّعِيْ شَيْئًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَاِجْمَاعَ الْاُمَّةِ (۱۱۱) وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا.

ترجمہ: (۱۰۹) اور ہم کسی کاہن (نجومی) کی تصدیق نہیں کرتے (۱۱۰) اور نہ ہی ہم اسے سچا جانتے جو کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف کوئی دعویٰ کرے (۱۱۱) اور ہم جماعت مسلمین کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور فرقہ بندی کو کجروی اور عذاب سمجھتے ہیں۔

توضیح: کاہن، وہ شخص جو مستقبل میں واقع ہونے والی چیزوں کی خبر دے، پوشیدہ چیزوں کی معرفت کا دعویٰ کرے اور غیب کی باتیں بتائے۔ عراف:

نجومی، طبیب، ستارہ یا وغیرہ کا حساب لگا کر کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔

تشریح: (۱۰) علم غیب باری تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے کسی اور میں یہ صفت نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی انسان مثلاً کاہن یا نجومی وغیرہ غیب کی خبریں دیں تو ہم ان کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ احادیث میں اس کی تصدیق پر سخت وعید آئی ہے ارشاد رسول ہے مَنْ اَتٰى عَرَّافًا اَوْ كَاهِنًا وَفِي رِوَايَةٍ فَقَدْ سَأَلَهُ وَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ. (مسند احمد) جو عراف یا کاہن کے پاس آیا (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے) اور اس سے معلومات کی پھر جو اس نے کہا اس کی تصدیق کی تو اس نے انکار کیا اس کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جیسے اس حدیث سے سائل کا حال معلوم ہو گیا مسئول کا حال بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ وہ بھی کافر ہے۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی حقیقت کے بارے میں عرض کیا کہ یہ (کاہن) کبھی ہم کو کوئی چیز بتا دیتے ہیں تو وہ حق ثابت ہو جاتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا وہ بات تو حق ہوتی ہے اور اس کو شیطان چوری چھپے سن کر ان کاہنوں کے ذہن میں ڈال دیتا ہے پھر وہ کاہن اس میں سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔

در اصل اس فن کہانت میں ریاضت، عمل اور شیاطین سے مدد لی جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس طرح کے بہت طریقے رائج تھے یہ سب طریقے قمار، جوا اور باطل ہیں، اس لئے اسلام نے سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کی اور ان کو حرام قرار دیا۔ ارشاد باری ہے: وَاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (جن) اور یہ کہ تھے کتنے مرد انسانوں میں کے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے پھر تو اور زیادہ سر چڑھنے لگے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (مائدہ) شراب، جوا، بت اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو۔

(۱۱) اسلام کی آمد کا مقصد تمام انسانوں کو نقطہ وحدت و اجتماعیت پر جمع کرنا ہے

جو اس کا طرۂ امتیاز ہے اسی لئے اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی اجتماعیت کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور انتشار وافتراق کو گمراہی اور ذریعہ عذاب۔ ارشاد باری ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران) اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ (بقرہ) جنہوں نے کتاب اللہ میں اختلاف کیا وہ بڑی ضد پر ہیں۔ حدیث میں ہے لا اسلام الا بجماعۃ، اسلام بغیر اجتماعیت کے نہیں۔

فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف حق کی تلاش میں ہوتا ہے اس لئے وہ بری نہیں اور مذموم نہیں بلکہ محمود ہے اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ انہی کے متعلق آیا ہے کیونکہ دین کے بنیادی مسائل میں وہ متحد ہیں اور فروعیات میں ان کا اختلاف مضبوط دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔

ارشاد باری ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (انعام) تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی۔

> وَدِيْنُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاحِدٌ وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَقَالَ تَعَالٰى رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيْرِ وَالتَّشْبِيْهِ وَالتَّعْطِيْلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ وَبَيْنَ الْاَمْنِ وَالْيَاْسِ فَهٰذَا دِيْنُنَا وَاعْتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا

ترجمہ: (۱۱۳) اور زمین و آسمان میں عز وجل کا دین ایک ہی ہے اور وہ دین اسلام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے (اور دوسرے مقام پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ) میں نے اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا اور یہ (دین اسلام) افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل اور جبر و قدر اور بے خوفی و ناامیدی کے درمیان (ایک سیدھا راستہ ہے) پس ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے یہی ہمارا دین و اعتقاد ہے (ظاہراً یعنی زبان سے اقرار اور عمل بالارکان کرکے اور باطناً یعنی مکمل یقین اور تصدیق قلبی کرکے)

توضیح: دین اسلام: کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں ہے (۱) وہ طریقہ جو اللہ نے بندوں کیلئے اپنے رسولوں کی زبانی مشروع کیا (۲) اطاعت و فرمانبرداری، جیسا کہ تمام مخلوق (جن و انس وغیرہ) تکوینی و تشریعی طور پر اللہ کے تابع فرمان ہے ارشاد باری ہے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا (آل عمران) اور اسی کے حکم میں ہے جو آسمان و زمین میں ہیں خوشی سے اور لاچاری سے (۳) عبدیت مطلقہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ معبود اور تمام مخلوق اس کے بندے ہیں، ارشاد باری ہے اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ (مریم) کوئی نہیں آسمان و زمین میں جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔

تشریح: (۱۳) حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا دین ایک ہی رہا ہے یعنی دین اسلام۔ شرعی احکام و مسائل میں حالات اور ضرورتوں کے مطابق اگرچہ سب کی شریعت مختلف رہی ارشاد باری ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اللہ کی نظر میں دین فقط اسلام ہے۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (آل عمران) اور جو اسلام کے علاوہ دین اختیار کرے گا سو ہرگز قبول نہیں کیا جائے۔ ارشاد رسول ہے اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ دِیْنُنَا وَاحِدٌ۔ ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہم سب کا دین ایک ہے۔ باری تعالیٰ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل کر دی اور چونکہ یہ دین ہی نوع انسان کیلئے نعمت عظمیٰ تھا اس لئے آپ کی ذات اقدس پر اسی نعمت کا اتمام کر دیا گیا۔

مَنْ یَبْتَغِ میں کلمہ "مَنْ" سب کو شامل ہے اور یہ حکم اپنے عموم واطلاق کے اعتبار سے اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اسلام کو اس امت اور سابقہ بھی امتوں حتیٰ کہ زمین و آسمان میں سب کیلئے ثابت مانا جائے۔

دین محمدی میں اعتدال اور میانہ روی ہے۔ نہ اس میں دین موسوی جیسا افراط یعنی تقصیر ہے۔ نہ دین عیسوی جیسی تفریط یعنی غلو۔ نہ اس میں راہبانہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ حلال چیزوں کو بھی حرام کیا ہو اور نہ یہ کہ چوپاؤں کی طرح آزاد کہ حلال و حرام میں امتیاز باقی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے زہد و تقویٰ میں غلو سے کام لیا اور عہد کیا کہ نہ ہم گوشت کھائیں گے نہ عورتوں سے نکاح کریں گے نہ رات میں سوئیں گے نہ دن میں افطار کریں گے اور بعض نے تو خصی ہونے کا ارادہ کر لیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو انہیں عتاب کیا اور فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا جو اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں جبکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی ہوں کھڑا بھی ہوتا ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ. پس جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تقصیر اور کوتاہی کرنے والوں کے بارے میں ارشاد باری ہے فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَاؤُنَ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. (ماعون) سو خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں اور برتنے کی چیز مانگی نہیں دیتے۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ إِذَا اکْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَ إِذَا کَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ. (مطففین) خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ اور خیال نہ کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے اپنے

نقل سے انھیں ملا ہے کہ وہ ان کے لئے بہتر نہیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔

فھذا: یعنی شروع کتاب سے لے کر اب تک جو بیان کیا گیا وہ سب ہمارا دین اور اعتقاد ہے اس لئے کہ یہ تمام باتیں کتاب و سنت کے محکمات اور تصریحات ہیں اور ہمارے سلف صالحین کا غیر منقطع متوارث سلسلہ ہے جس کی سند اول سے آخر تک متصل ہے۔

(۱۱۳) وَ نَحْنُ نَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ كُلِّ مَا خَالَفَ الَّذِی ذَكَرْنَاهُ وَ بَيَّنَّاهُ وَ نَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰی أَنْ يُثَبِّتَنَا عَلَى الْإِيْمَانِ وَ يَخْتِمَ لَنَا بِهٖ وَ يَعْصِمَنَا عَنِ الْأَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَ الْآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَ الْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ مِثْلِ الْمُشَبِّهَةِ وَ الْمُعْتَزِلَةِ وَ الْجَهْمِيَّةِ وَ الْجَبْرِيَّةِ وَ الْقَدَرِيَّةِ وَ غَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَ الْجَمَاعَةَ وَ حَالَفُوا الضَّلَالَةَ (كَالْمَوْدُوْدِيْ وَ الرِّضَا خَوَانِیْ وَ الْقَادِيَانِیْ وَ غَيْرِ الْمُقَلِّدِيْنَ) وَ نَحْنُ بُرَآءُ مِنْهُمْ وَ هُمْ عِنْدَنَا ضُلَّالٌ أَرْدِيَاءُ وَ بِاللّٰهِ الْعِصْمَةُ وَ التَّوْفِيْقُ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ سَلَّمَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

ترجمہ: (۱۱۳) اور ہم اللہ کی جانب برأت ظاہر کرتے ہیں ہر اس شخص سے جو اس طریقہ کا مخالف ہو جس کو ہم نے ذکر کیا اور بیان کیا (اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم نے جو ذکر کیا وہ اہل حق کا مسلک ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ راہ اعتدال ہے) اور ہم اللہ تعالی سے دعاء کرتے ہیں کہ ہم کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے، اور دین میں اختلاف پیدا کرنے والی خواہشات، فرقہ بندی پیدا کرنیوالے خیالات اور مردود فرقوں سے حفاظت فرمائے مثلاً مشبہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ۔ اور ان کے علاوہ ان لوگوں سے جو سنت وجماعت کے مخالف اور ضلالت و گمراہی کے حلیف (رفیق) ہیں (مثلاً مودودی، رضاخوانی، قادیانی، غیر مقلدین) اور ہم ان سے برأت ظاہر کرتے ہیں اور یہ (تمام فرقے) ہمارے نزدیک گمراہ ہیں اور اللہ کی ذات سے عصمت و توفیق مل سکتی ہے اور اللہ تعالی درود

وسلام نازل فرمائے ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور آپ کی اولاد واصحاب پر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔

تشریح: (۱۱۳) ان تمام فرق باطلہ کی مکمل تفصیل مقدمہ میں آچکی ہے ہم ان کے خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ سے مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں جیسے حضرت ابراہیمؑ نے برأت کا اظہار فرمایا تھا ارشاد باری ہے وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ. (زخرف) اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا بلا شبہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے راہ راست دکھائے گا۔

ضمیمہ از حکیم الاسلام قدس سرہ

مَبَانِی الْخِلَافَةِ وَ السِّیَاسَةِ الدِّیْنِیَّةِ وَ غَایَاتِهَا مِنَ الْمُحَشِّیْ مُدَّ ظِلُّهٗ

ترجمہ: خلافت اور سیاست دینیہ کی بنیادیں اور اس کی غایات (مقاصد) محشی مد ظلہ کی جانب سے۔

توضیح: مبانی: مبنٰی کی جمع ہے معنی بنیاد۔ خلافت: باب (ن) جانشین ہونا۔ سیاسۃ ساس سیوس، (باب ن) انتظام کرنا۔ غایات: غایۃ کی جمع ہے، انتہاء، مقصود۔

تشریح: مصنف علیہ الرحمہ نے مسئلہ خلافت کو اس کی دینی اہمیت اور اسلامی سیاست اور اجتماعیت کی بنیاد کی وجہ سے عقائد ضروریہ میں شمار کیا اور اس پر گفتگو فرمائی اور اپنے ذوق کے مطابق جس قدر ضروری سمجھا بیان کر دیا۔ محشی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ مہتمم الجامعہ دار العلوم

دیوبند نے خلافت کے تقاضے اور اسکے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک متن کا اضافہ فرمایا، تاکہ طالبین کے سامنے خلافت کا صحیح نقشہ سامنے آجائے جو تاریکی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت اسی متن کا عنوان ہے۔

نظام خلافت کو قائم کرنے کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو متن کی شرح میں بیان کیا جائیگا اس سے پہلے خلافت کے متعلق ضروری تفصیل ملاحظہ کرتے چلئے۔

خلافت کا مطلب ہے زمین کا انتظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کیلئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر کرنا۔ قرآن مجید میں ہے کہ اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ کا ہے ارشاد باری ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ. زمین کے انتظام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں جو بجائے خداوندی زمین پر سیاست و حکومت اور بندگان خدا کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے اور احکام الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفہ و نائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کسی کے کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں جس کو کوئی اپنی سعی و عمل سے حاصل کر سکے بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنے علم و حکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کیلئے چن لیتے ہیں جن کو انبیاء و رسول و خلیفہ و نائب قرار دیتے ہیں قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے ارشاد ہے اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ. اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں اپنے رسول کا اور انسانوں میں سے بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے نیز ارشاد ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ. (انعام) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائے۔

یہ خلیفۃ اللہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں یہ سلسلہ خلافت و نیابت الٰہیہ کا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی انداز میں چلا رہا یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت سی اہم

خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ سے قبل انبیاء خاص خاص قوموں یا ملکوں کی طرف ہوتے تھے ان کا حلقہ حکومت واختیار انہیں قوموں اور ملکوں میں محدود ہوتا تھا ابراہیم علیہ السلام ایک قوم کی طرف لوط علیہ السلام ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے، اور حضرت عیسیٰ وموسیٰ اور ان کے درمیان آنے والے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوم جنات وانسان کی طرف بھیجا گیا آپ کا اختیار واقتدار پوری دنیا کی قوموں پر حاوی فرمایا گیا قرآن کریم نے آپ کی بعثت ونبوت کے عام ہونے کا اعلان اس آیت میں فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اعراف) آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف اللہ وہ ذات ہے جس کے قبضہ میں ہے ملک آسمان وزمین کا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں خاص فضیلت بخشی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو تمام عالم کا رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔

دوسری خصوصیت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت ونیابت جس طرح خاص خاص ملکوں اور قوموں میں محدود ہوتی تھی اسی طرح ایک خاص زمانے کیلئے مخصوص ہوتی تھی اس کے بعد دوسرا رسول آجاتا تو پچھلے رسول کی خلافت ونیابت ختم ہو کر آنے والے رسول کی خلافت قائم ہو جاتی، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے خاتم الانبیاء بنایا کہ آپ کی خلافت ونیابت قیامت تک قائم رہے گی اس کا زمانہ بھی کوئی مخصوص زمانہ نہیں بلکہ جب تک زمین وآسمان قائم اور زمانے کا وجود ہے وہ بھی قائم ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ایک زمانہ تک محفوظ رہتی اور چلتی تھی رفتہ رفتہ اس میں تحریفات ہوتے ہوتے کالعدم ہو جاتی

تھی اس وقت کوئی دوسرا رسول اور دوسری شریعت بھیجی جاتی تھی۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا دین اور آپ کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی قرآن مجید جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اس کے الفاظ اور معانی سب چیزوں کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر) بیشک ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وارشادات جن کو حدیث کہا جاتا ہے اس کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انتظام فرمایا کہ قیامت تک آپ کی تعلیمات اور ارشادات کو جان سے زیادہ عزیز سمجھنے والی ایک جماعت باقی رہے گی جو آپ کے علوم ومعارف اور آپ کے شرعی احکام صحیح صحیح لوگوں کو پہنچاتی رہے گی کوئی اس کو مٹا نہ سکے گا اللہ تعالیٰ کی تائید بھی ان کے ساتھ رہے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور صحیفے مسخ اور محرف ہو جاتے اور بالآخر دنیا سے گم ہو جاتے یا غلط سلط باقی رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب قرآن اور آپ کی بتلائی ہوئی ہدایات حدیث بھی سب اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ قیامت تک موجود ومحفوظ رہے گی اسی لئے اس زمین پر آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت ہے نہ کسی اور خلیفۃ اللہ کی گنجائش۔

چوتھی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت ونیابت جو محدود زمانے کیلئے ہوتی تھی ہر نبی ورسول کے بعد دوسرا رسول منجانب اللہ مقرر ہوتا اور نیابت کا کام سنبھالتا تھا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خلافت ونیابت تا قیامت ہے اس لئے قیامت تک آپ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کیلئے جو نائب ہوگا وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہوگا۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ

نبیٌ وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون۔ بنی اسرائیل کی سیاست وحکومت انکے انبیاء کرتے تھے ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا اور خبردار رہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں میرے خلیفہ ہونگے اور بہت ہونگے۔

پانچویں خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ کے بعد آپکی امت کے مجموعے کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے یعنی امت کے مجموعے کو معصوم قرار دیدیا کہ آپ کی پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہیں ہوگی، یہ پوری امت جس مسئلہ پر اجماعاً اتفاق کرے وہ حکم خداوندی کا مظہر سمجھا جائے گا اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بعد اسلام میں تیسری حجت اجماع امت قرار دی گئی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لن یجتمع امتی علی الضلالۃ، میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔

اسکی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہوجاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، دنیا کتنی ہی بدل جائے حق کتنا ہی مضمحل ہوجائے مگر ایک جماعت حق کی حمایت ہمیشہ کرتی رہے گی اور انجام کار وہی غالب رہے گی۔

اس سے بھی واضح ہوگیا کہ پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر مجتمع نہ ہوگی اور جبکہ امت کا مجموعہ معصوم قرار دیدیا گیا تو خلیفہ رسول کا انتخاب بھی اسی کے سپرد کردیا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابت رسول اور نظم حکومت کیلئے انتخاب کا طریقہ شروع ہوگیا، امت جسے خلافت کیلئے منتخب کردے وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہوسکتا ہے۔

خلفاء راشدینؓ کے آخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اور اسی لئے ان کے فیصلے صرف وقتی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کیلئے حجت مانے جاتے ہیں کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔ خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر

بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جا سکتا ہے۔ اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اسکا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہی اس ملک کا امیر اور اولوالامر کہلائے گا قرآن مجید کے ارشاد وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے عموم سے اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہے فرق اتنا ہی ہے کہ عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد و خود مختار ہیں محض اپنی رائے سے جو چاہیں قانون بنا سکتے ہیں اسلامی اسمبلی اور اسکے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ملا ہے اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کیلئے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کیلئے بھی کچھ حدود اور قیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہو سکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا انہیں اختیار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مخاطب کرتے جو فرمایا ہے کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً) اس سے دستور مملکت کی چند اہم دفعات پر روشنی پڑتی ہے اول یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلیٰ اللہ جل مجدہ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کیلئے اسکا نائب و خلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے۔ اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلافت الہیہ کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تو اب خلافت کا سلسلہ انکے قائم مقام ہوا اور اس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔ (جواہر الفقہ ص ۸۳)

(۱۱۴) وَمِنْ مُقْتَضَى الْخِلَافَةِ الْاِسْتِخْلَافُ وَهُوَ نَصْبُ الْإِمَامِ
عَلٰى كُلِّ حَالٍ حَسَبَ الْاِسْتِطَاعَةِ لِئَلَّا يَبْقَى الْقَوْمُ فَوْضٰى (۱۱۵)
وَانْتِخَابُ الْأَصْلَحِ بِمِعْيَارِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ.

ترجمہ: (۱۱۳) اور خلافت کا تقاضا ہے خلیفہ بنانا، اور وہ ہر حال میں حسب استطاعت امام و حاکم کا تقرر ہے تاکہ قوم بغیر امیر نہ رہے (۱۱۴) اور خلافت کیلئے ایسے شخص کا انتخاب ہو گا جو نظم سیاست اور حق خلافت کی صلاحیت معیار پر ہو۔

توضیح: اقتضاء: باب افتعال، تقاضا کرنا۔ استخلاف: باب استفعال، جانشین بنانا۔ انتخاب: باب افتعال، منتخب کرنا۔ فوضی: باب مفاعلت سے ماخوذ ہے معنی برابری۔ فوضی وہ قوم جس کا کوئی امیر نہ ہو۔

تشریح: (۱۱۳) خلافت کا منصب اسلام میں ایک عظیم الشان اور جلیل القدر منصب ہے، نجی اور انفرادی زندگی، گھریلو زندگی، حتی کہ شہری و ملکی زندگی میں نظام امن و امان اور صلح و آشتی برقرار رکھنے کیلئے دین کی حفاظت، حق دین کی نصرت، احکام الٰہیہ کی تنفیذ، اسلامی سرحدوں کی نگہبانی، اخلاق و معاشرت کو بہتر بنانے، جرائم اور فتنہ و فساد کی روک تھام، منکرات کا خاتمہ، امیر و غریب مرد و عورت چھوٹے بڑے انسانوں میں مساوات، پیار و محبت، ہمدردی اور اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کیلئے منصب خلافت کی شدید ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ حضرت آدم سے شروع فرمایا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

خلافت و ملوکیت دونوں صورۃً ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کیونکہ ان دونوں میں شوکت و عظمت اور قوت کے معنی مشترک ہیں، پس قرون صحابہ کے بعد لوگوں نے ریاست اور شوکت و عظمت کو حاصل کرنے کے لئے خلافت کے نام سے ملوکیت کو اختیار کیا یعنی انہوں نے خلافت کا نام تو باقی رکھا لیکن شرف و مال اور اقتدار کے لالچ میں خلافت کی حقیقت اور روح کو ختم کر دیا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حب مال اور حب جاہ دونوں دین کیلئے ان دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ مہلک ہیں جو بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ پس لوگوں نے خلافت اور حکومت اسلامیہ کے نام پر ریاست قائم کی اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل

کرنے کیلئے علماء سوء کی امداد لی اور متقدمین اور متأخرین کو آپس میں لڑایا اور فتنہ و فساد اور ظلم برپا کیا، جنگ و جدال کو اختیار کیا اور گمراہ کن عقائد اور اعمال کے گڑھے میں خود بھی گرے اور دوسروں کو بھی گرا لیا۔ اس طرح خلافت کی حقیقت اور صحیح صورت حال کو نظروں سے اوجھل کر دیا خاص طور سے اس زمانے میں لوگ خلافت کی طرف سے ایسی تہ بہ تہ تاریکیوں میں ہیں کہ اگر آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو دکھائی نہ دے۔

اس لئے ضروری تھا کہ خلافت الٰہیہ کی بنیادی باتوں اور خلافت و ملوکیت کے درمیان فرق کو بقدر ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے، تاکہ اس سے تلبیس کا پردہ اٹھ جائے اور حق کا اظہار اور باطل کی تردید ہو۔ مصنفؒ نے اسکے بیان میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے، اسلئے کہ اس وقت خلافت کا دور گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا خلافت کا صحیح نقشہ اور اسکا حقیقی مفہوم عام طور پر لوگوں کے دل و دماغ میں بیٹھا ہوا تھا اسلئے تفصیل و وضاحت کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ زمانہ خلافت کا زمانہ نہیں ہے بلکہ جہل، فساد، تعصب اور بھلائی کے نام پر شر سے فائدہ اٹھانے کا زمانہ ہے اسلئے اسکی قدرے وضاحت ضروری ہے۔

ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خلافت کی دو قسمیں ہیں (۱) خلافت الٰہیہ (۲) خلافت رسول۔ یعنی اللہ کے پہلے خلیفہ اس کی زمین میں انبیاء و رسل ہیں۔ ارشاد باری ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (بقرہ) حضرت داؤدؑ کے متعلق ارشاد باری ہے یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص) اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ مقرر کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام مخلوق کے مقتدیٰ، امام اور خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح آپ خاتم الخلفاء بھی ہیں خلافت الٰہیہ کے اس مقدس سلسلہ کو آپ کی ذات اقدس پر ختم کر دیا گیا اور جس طرح آپ افضل الانبیاء ہیں اسی طرح افضل الخلفاء بھی ہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَعَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔

انبیاء سابقین کی خلافت ان کے صالحین وارثین میں چلتی تھی۔ متعدد انبیاء کے متعلق قرآن مجید میں مذکور ہے قول عزوجل حضرت نوح کے بارے میں وَجَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا۔ اور ہم نے تم کو خلیفہ بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا۔ قوم ہود کے بارے میں ارشاد ہے وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب خلیفہ بنایا تم کو قوم نوح کے بعد۔ قوم صالح کے بارے میں ارشاد ہے وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب خلیفہ بنایا تم کو قوم عاد کے بعد اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا تھا وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ۔ اور میری ذریت میں سے (بھی امام بنا) تو فرمایا میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہوگا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت آپ کے صالح وارثین اور خلفاء راشدین کی طرف منتقل ہو گئی اور ان کے بعد خلفاء مہدیین کی طرف یہاں تک کہ امت میں بارہ خلفاء ظاہر ہوں جس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمُ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا۔ لوگوں کے امور برابر چلتے رہیں گے (قیامت قائم نہ ہوگی) جب تک بارہ خلفاء ظاہر ہوں۔ نیز ارشاد رسول ہے كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَالْمَهْدِيُّ وَسَطُهَا وَالْمَسِيْحُ آخِرُهَا۔ (مشکوۃ) امت کیسے ہلاک ہو جائیگی جبکہ میں اسکا اول اور امام مہدی درمیان، اور مسیح ہدایت عیسیٰ اسکے آخر ہیں۔

بہرحال خلافت کے کچھ آثار، خواص، صفات، مقتضیات، ارکان اور غایات ومقاصد ہیں مثلاً۔

قوم کا حاکم امیر اور خلیفہ ہو، تاکہ قوم بلا امیر نہ رہے، کیونکہ اسلام اجتماعیت کا متقاضی ہے اور اجتماعیت اسوقت ہوتی ہے جب ان کا ایک سربراہ مقرر ہو تاکہ اسکی

صورت میں دین و دنیا کے نقصان سے محفوظ رہا جاسکے، انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی صحیح طریقہ پر ہو مثلاً ماں باپ اور ان کی اولاد، میاں بیوی، بھائی، بہن، چچا، بھتیجا، ساس، بہو، اقرباء و پڑوسی کے باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو، وہ عبادات و معاملات جو صورت پر موقوف ہیں بحسن و خوبی انجام پاسکیں حسن معاشرت اور اخلاق حمیدہ کی فضا پیدا ہو احکام الٰہی کی حفاظت ہو۔

امیر و حاکم اور خلیفہ کا انتخاب ارباب حل و عقد کریں گے اور اس فریضہ کی انجام دہی میں کسی بھی طرح کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ ہندوستان میں چونکہ مسلمان امیر کے انتخاب سے عاجز ہیں اس لئے وہ معذور شمار ہونگے اور اس فریضہ کے ترک کی وجہ سے گنہگار نہ ہونگے۔

امیر جس کسی کو نہیں بنایا جائیگا نااہل کو امیر بنانا ظلم عظیم ہے بلکہ امارت کیلئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائیگا جو دیانت داری کے ساتھ علم سیاست سے پوری طرح واقف ہو اور نظام سیاست کی پوری صلاحیت رکھتا ہو تاکہ نظام سلطنت مستحکم اور برقرار رہ سکے اسی لئے اگر ایک شخص نیک صالح ہے اور علم دین کا ماہر ہے مگر انتظامی صلاحیت نہیں رکھتا دوسرا شخص اگرچہ اتنا علم نہیں رکھتا مگر انتظامی صلاحیت پوری مکمل رکھتا ہے وہ حالات کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو خلافت کیلئے یہی شخص منتخب کیا جائیگا کیونکہ انتظامی قابلیت کی وجہ سے یہ قوم کی زیادہ خدمت کر سکے گا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ خلافت کا مدار وراثت پر نہیں بلکہ انتخاب پر ہے ارشاد باری ہے وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ (بقرہ) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے (اس میں کسی نسب، مال، قبیلہ یا جماعت کی تخصیص نہیں) اِصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ منتخب کیا اس کو تم پر علم اور قوت میں۔ حدیث میں ہے اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَلَوْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ۔ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو۔ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (حدیث) جس نے اپنے زمانے کا امام نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(١١٦) وَتَفْوِيضُ الْأَمْرِ إِلَى مَنْ لَا يَطْلُبُهُ إِلَّا مَنْ يَطْلُبُهُ لِابْتِغَاءِ
مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَالنَّاسُ يَعْرِفُوْنَ بِصِدْقِهِ وَإِخْلَاصِهِ (١١٧) وَ
يَلْزَمُهُ الشُّوْرٰى لِدَفْعِ الْاِسْتِبْدَادِ وَعَلَيْهِ الْعَزِيْمَةُ وَالتَّرْجِيْحُ
لِدَفْعِ الْاِنْتِشَارِ وَالْفَوْضَوِيَّةِ۔

ترجمہ: (۱۱۶) اور امور سلطنت پر ایسے شخص کو فائز کیا جائے گا جو اس کا طلبگار نہ ہو مگر جو شخص اس عہدے کو رضاء الٰہی کیلئے طلب کرے اور لوگ اس کے صدق و امانت اور اخلاص و للّٰہیت کو جانتے ہوں (۱۱۷) اور امام کیلئے لازم ہے کہ مجلس شوریٰ قائم کرے ڈکٹیٹری کو ختم کرنے کیلئے اور رائے کے اختلاف اور بے سری کو دور کرنے کیلئے امام پر لازم ہے کہ کسی ایک رائے کو ترجیح دے اور پختگی سے اس پر عمل کرے

توضیح: تفویض: باب تفعیل سے، سپرد کرنا۔ یبتغیہ: باب افتعال، طلب کرنا۔ مرضاۃ: مصدر باب س، خوش ہونا۔ اخلاص: باب افعال، (۱) کھوٹ سے صاف کیا ہوا کرنا (۲) اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بنانا (۳) اعمال کو کدورتوں سے پاک رکھنا (۴) اللہ اور بندے کے درمیان پردہ جسے فرشتہ بھی نہ جانے کہ اسے لکھے، نہ شیطان جانے کہ اسکو بگاڑ دے۔ صدق: کذب کی ضد ہے (۱) موقعہ ہلاکت میں حق بات کہنا۔ قشیری نے کہا ہے کہ صدق یہ ہے کہ تیرے احوال میں ملاوٹ نہ ہو، تیرے اعتقاد میں شک نہ ہو، تیرے اعمال میں کوئی عیب نہ ہو۔ صدق و اخلاص میں فرق یہ ہے کہ صدق اصل ہے اور اس کا ظہور پہلے ہوتا ہے اخلاص اسکی فرع ہے اور اس کا ظہور بعد میں ہوتا ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۲۸)

تشریح: (۱۱۶) اگر کوئی شخص حب جاہ اور حب مال کے لالچ میں اور نفسانی اغراض کی وجہ سے خلافت کا طلبگار ہو تو اس کو یہ عہدہ سپرد نہ کیا جائیگا، ارشاد رسول ہے اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّيْ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ (الامارۃ) اَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ) اللہ کی قسم ہم اس امارۃ کا

والی نہیں بنائیں گے کسی کو جو اس کا مطالبہ کرے اور ایسے شخص کو جو اس کا حریص ہو۔

البتہ اگر اس کا مطالبہ صرف رضائے الٰہی اور لوگوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ہے یا دوسرا آدمی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا یا اگر اس شخص نے پیش قدمی نہ کی تو نظم تعطل ہو جائیں گے اور لوگ اسکے صدق واخلاص کو جانتے ہیں تو اسکے منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اگر وہ دوسروں کے مقابلے میں لائق ترجیح ہو تو اسی کو ترجیح دی جائیگی۔

جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے درخواست کی تھی اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ (یوسف) مجھے زمین کے خزانوں کا والی مقرر کر دیجئے۔ یہ درخواست رضائے الٰہی اور لوگوں کی خیر خواہی کی بنا پر تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں علم سیاست اور ملکی حفاظت کا وہ ملکہ اور کمال عطا فرمایا تھا جو لوگوں نے دیکھا اور لوگ انکی انتظامی خوبیوں کی وجہ سے سات سال تک قحط سالی کی پریشانی سے محفوظ رہے بہر حال اس امر کے آپ اہل بھی تھے اور ارباب حل وعقد انکے صدق واخلاص کو جانتے بھی تھے وَهُوَ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ ابْنُ الْكَرِيْمِ

(۱۱۷) مشورہ میں چونکہ خیر ہے، حق کی تلاش ہے بلا مشورہ نظم ونسق میں خطاء کا امکان بھی زیادہ اور من مانی بھی جس کو ڈکٹیٹرشپ کہا جاتا ہے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے اس لئے امام کو لازم ہے کہ امور مملکت میں ضرورت کے وقت مشورہ کرنے کیلئے اہل الرائے کی مجلس شوریٰ قائم کرے۔ ارشاد باری ہے وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔ ان سے معاملہ میں مشورہ کر۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔

اگر اراکین شوریٰ کی رائے کسی جانب متفق نہ ہو سکیں تو امام صاحب کو حق ہوگا کہ دلائل کی روشنی میں کسی ایک جانب کو ترجیح دیکر اس پر عمل کرے اور اگر کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہو تو حاکم کا درجہ اس مسئلہ میں ایک رکن ہی کا ہوگا جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ اِنِّیْ وَاحِدٌ كَاَحَدِكُمْ۔ میں تم میں سے ایک فرد کے برابر ہوں۔

(۱۱۸) وَ القَانُونُ القَطعِيُّ لِلتَّمَسُّكِ (۱۱۹) وَ الحُكمُ
بِالعَدلِ وَلَو عَلَى أَنفُسِهِم (۱۲۰) وَ عَلَى القَومِ السَّمعُ
وَالطَّاعَةُ عَلَى مَنشَطٍ وَ مَكرَهٍ إِذ لَم يُؤمَر بِمَعصِيَةِ الخَالِقِ
(۱۲۱) وَ يَلزَمُهُ الإِعدَادُ المُستَطَاعُ لِلحِفظِ وَ سَدِّ الثُّغُورِ وَ
الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ لِدَفعِ الفِتنَةِ وَإِعلَاءِ كَلِمَةِ اللهِ وَ التَّيسِيرُ
لِلهِجرَةِ لِمَن يُهَاجِرُ فِي سَبِيلِ اللهِ مَكَانِيَّةً كَانَت أَو مَعنَوِيَّةً.

ترجمہ: (۱۱۸) اور استحکام (اجراء احکام) کیلئے قطعی قانون ضروری ہے (۱۱۹) اور یہ بھی ضروری ہے کہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے چاہے وہ فیصلہ اپنے ہی خلاف پڑے۔ (۱۲۰) اور قوم پر امام کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خوشی کے ساتھ ہو یا جبر سے، بشرطیکہ خالق کائنات کی نافرمانی کا حکم نہ دے (۱۲۱) اور امام کو حسب استطاعت ملکی حفاظت اور سرحدی حفاظت کی تیاری لازم ہے اور دفع فتنہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے راہ خداوندی میں جہاد کرنا بھی ضروری ہے اور ہر اس شخص کی ہجرت کیلئے سہولت فراہم کرنا لازم ہے جو راہ خداوندی میں ہجرت مکانی یا ہجرت معنوی کرنا چاہتا ہے۔

توضیح: منشط: خوشدلی۔ مکرہ: ناپسندیدگی۔

تشریح: (۱۱۸) خلافت کے تقاضے میں سے ہے کہ قانون قطعی ہو جس کی بنیاد پر امام احکام کا اجراء کر سکے اور عالم میں امن وامان قائم ہو، شر وفتنہ ختم ہو، معبود حقیقی کی مکمل عبادت ہو، چنانچہ وہ قانون قطعی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور مجتہدین کا قیاس ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو معلوم کیا کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو عرض کیا سنت رسول سے۔ آپ نے فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ملے؟ تو عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تمام تعریفیں ہیں خداوند لاشریک کیلئے جس نے رسول اللہ کے رسول کو وہ توفیق دی جس سے رسول اللہ خوش ہوں۔ (مشکوٰۃ)

(۱۱۹) شریعت نے سیاست رعیہ کے ذریعہ امام کو حکم دیا کہ احکامات اور فیصلوں میں عدل و انصاف سے کام لے اور کتاب و سنت کو لازم پکڑے خواہ وہ فیصلہ خلاف پڑے۔ ارشاد باری ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (نساء) اے مومنو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف اگرچہ ہو تمہارا نقصان یا ماں باپ کا یا اقربا کا۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ (بقرہ) لوگ ایک جماعت تھے سو بھیجا اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

(۱۲۰) قوم کی ذمہ داری ہے کہ امام کی اطاعت کریں اسکے فیصلوں کو تسلیم کریں اور اس کی باتوں کو سنیں اور مانیں خواہ وہ بات اور فیصلہ دل کو بھائے یا نہ بھائے، البتہ معصیت کے کاموں میں اس کی اطاعت نہ کیجائے۔ مومن کی شان اللہ نے یہ بیان کی ہے وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا، (بقرہ) اور کہا انھے ہم نے سنا اور قبول کیا۔ ارشاد رسول ہے أُوصِيكُمْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، میں تم کو سمع و طاعت کا حکم دیتا ہوں۔ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، (حدیث) مسلمان پر پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزوں میں سمع و طاعت لازم ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ۔ الخ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگی اور آسانی اور خوشی و ناخوشی میں سمع و طاعت پر بیعت کی ہے۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (حدیث مشکوٰۃ) خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (لقمان) اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

(۱۲۱) امام کو چاہیے کہ وہ مطمئن ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اپنے فرائض منصبی کو انجام دے، اور وسعت کے مطابق دشمن اور باطل طاقتوں کے خلاف فوجی تیاری کرے سرحدوں کی حفاظت کرے تاکہ کفار حملہ آور نہ ہو سکیں، ارشاد باری ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ (انفال) اور تیاری کرو ان کے لئے جو طاقت رکھتے ہو قوت سے اور گھوڑے باندھ کر اس سے اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو ڈرانے کیلئے اور ان کے علاوہ دوسروں کو۔

کفار کو دعوت حق دیں اگر وہ قبول کریں تو بہتر ورنہ دعوت جہاد دے اگر قبول کرلیں تو بہت اچھا اگر دونوں ہی باتوں کا انکار کردیں تو ان سے جہاد کیا جائے تاکہ شر، فتنہ فساد اور مہلک مادہ ختم ہو اور اللہ کا دین سربلند ہو۔ ارشاد باری ہے يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ) اے نبی کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر تندخوئی کر۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (بقرہ) اور ان سے لڑائی کرو تاکہ فساد باقی نہ رہے اور حکم خدا تعالیٰ ہی کا رہے۔

پہلے دعوت اس لئے ضروری ہے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ قتال سے ہمارا مقصد جان و مال نہیں ہے بلکہ شر و فتنہ کا خاتمہ اور تبلیغ دین ہے۔ ہند و بیرون ہند مدارس اسلامیہ اور تبلیغی مراکز جو تبلیغ دین کا کام انجام دے رہے ہیں اس کی بنیاد شریعت کے عین مطابق ہے اس کو خلاف شریعت کہنا اور تبلیغ کو نشانہ بنانا خلاف اصول ہے۔ اسی طرح امام پر لازم ہے کہ جو شخص تجارت کرنا چاہتا ہے اس کے

لئے اسباب سہولت فراہم کرے خواہ ہجرت مکانی ہو یا معنوی۔ ہجرت مکانی تو یہ ہے کہ دار الحرب میں اپنے ایمان کی حفاظت اور احکام اسلام پر عمل دشوار ہو تو وہاں سے دار الاسلام کی جانب ہجرت کرے اور امام اس کی سہولت کے اسباب مہیا کرے اور ہجرت معنوی یہ ہے کہ منہیات سے بچ کر مامورات کو لازم پکڑے یہاں بھی امام پر حسب حیثیت لازم ہے کہ ان کی سہولیات پر نظر رکھے مثلاً اگر علماء حق ہیں یا مفتیان کرام یا قاضی وغیرہ تو بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کرے ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (نساء) بلاشبہ وہ لوگ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تھے بے بس اس ملک میں، کہتے ہیں فرشتے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی جو وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے سو ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً۔ (نساء) اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں، پاوے گا اس کے مقابلے میں بہت جگہ اور کشائش۔ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔ (حدیث) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

(۱۲۲) وَالْاِحْتِسَابُ لِلْاِيْقَاظِ وَالْمُؤَاخَذَةِ (۱۲۳) وَغَايَتُهَا اِقَامَةُ الدِّيْنِ وَحِفْظُ الْحُدُوْدِ فِي الْعِبَادَاتِ وَالْمُعَامَلَاتِ وَالْمُعَاشَرَاتِ وَنَظْمُ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاِقَامَةِ الْحُدُوْدِ لِلْقِصَاصِ وَالتَّعْزِيْرَاتِ لِاِزَالَةِ الْمُنْكَرَاتِ۔

ترجمہ: (۱۲۲) اور قوم میں بیداری رکھنے کیلئے جانچ پڑتال اور قانونی خلاف ورزی سے بچانے کیلئے مواخذہ (کڑی نظر اور چوکسی) ضروری ہے

(۱۴۳) اور خلافت قائم کرنے کا منشا دین الہی کو قائم (جاری و ساری) رکھنا، عبادات، معاملات اور معاشرت میں شرعی حدود کی نگہبانی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کا نظم کرنا، اور منکرات (برائیوں) کو ختم کرنے کیلئے حدود، قصاص اور تعزیرات کا انتظام کرنا ہے۔

(۱۴۴) امام کا فریضہ ہے کہ لوگوں کے حالات اور ضرورتوں کی دیکھ ریکھ رکھے اور ان کے دینی اور دنیوی معاملات سے باخبر رہے تاکہ ان میں بیداری رہے، حتی کہ مواخذہ اور تادیب کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے اور اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سیرت کو اپنائے، جنہوں نے خلافت کے فرائض کو کس ذمہ داری اور حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا معمول یہ تھا کہ جب لوگ سوجاتے تو بستی اور جنگلوں میں گشت لگاتے اور لوگوں کے حالات کی خبر لیتے کہ کس حال میں ہیں اگر کوئی پریشانی ہوتی تو اسکو دور کرتے اور اگر کوئی دینی چیز چھوٹ جاتی تو اس پر مواخذہ فرماتے۔

(۱۴۵) دین کے قیام، حدود شرعی کی حفاظت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی تبلیغ اور حدود و قصاص کے نفاذ کیلئے خلافت جیسی مستحکم قوت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے شریعت اسلامیہ نے خلافت کے مسئلہ پر زور دیا ہے۔

پس امام پر لازم ہے کہ اقامت دین اور اجرائے دین کیلئے فرائض، واجبات، سنن، آداب کی رعایت خود بھی ملحوظ رکھے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائے، اور امت کا فریضہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتی رہے۔

ارشاد باری ہے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج) وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور ادا کریں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

امام پر لازم ہے کہ شریعت نے جس معاملہ میں جو سزا مقرر کی ہے مجرم پر اس کو نافذ کرے اور اس میں قریب و بعید کو برابر سمجھے اور کسی کی طعنہ زنی اور ملامت کا اندیشہ نہ کرے ارشاد رسول ہے اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيْبِ

والبعید ولا تأخذکم فی اللّٰہ لومۃ لائم قریب و بعید میں اللہ کی حدود قائم کرو، اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت تمہیں مانع نہ ہو۔ اقامۃ حد من حدود اللّٰہ خیر من مطر اربعین لیلۃ فی بلاد اللّٰہ (مشکوٰۃ) اللہ کی حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات کی بارش سے بہتر ہے۔

چنانچہ شرعی گواہوں سے ثبوت زنا کے بعد حد زنا، ثبوت سرقہ کے بعد حد سرقہ، ثبوت شرب خمر کے بعد حد خمر، اسی طرح حد قتل اور حد قذف وغیرہ جاری کرے۔

اگر کسی جرم کیلئے کوئی سزا مقرر نہ ہو بلکہ حاکم کی رائے اور صوابدید پر موقوف ہو تو حاکم وقت اس کو اپنی صوابدید پر سزا دے کیونکہ عالم میں نظام امن قائم رکھنے اور خدا کی نافرمانی سے بچانے اور جرائم کو ختم کرنے کیلئے جرم پر مقررہ سزا جاری کرنا ضروری ہے۔

جہاں حدود کا مسئلہ نہ ہو تو لوگوں کے ساتھ نرمی اور تسکین کا معاملہ کیا جائے اگر کچھ شبہات لاحق ہوں تو ان کو نرمی سے حل کردیا جائے غرضیکہ اخلاق حسنہ سے اگر غفلت کرے گا تو اشاعت دین میں خلل واقع ہوگا۔

(۱۲۴) وَ الرِّفْقُ وَالتَّطْيِيبُ لِتَرْوِيجِ الْمَعْرُوفَاتِ وَ التَّعْمِيمِ
لِلتَّعْلِيمِ وَ الْاِكْرَاهِ فِي ضَرُورِيَّاتِ الدِّيْنِ وَ التَّوَسُّعِ فِي التَّبْلِيغِ
عَلَى التَّدْرِيجِ حَسَبَ دَرَجَاتِهِ (۱۲۵) وَ التَّعْلِيمُ بِالْاِعْتِصَامِ
بِحَبْلِ اللّٰهِ لِيَنْقَطِعَ الْفُرْقَةُ وَ تَوْحِيدِ الْاُمَّةِ وَ تَرْبِيَةِ خَلْقِ اللّٰهِ عَلَى
اَخْلَاقِ اللّٰهِ وَ لَخَّصَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَمْسٍ وَ
هِيَ بِمَثَابَةِ اُصُولِ السِّيَاسَةِ الدِّيْنِيَّةِ ۔ اَلْجَمَاعَةُ وَ السَّمْعُ
وَالطَّاعَةُ وَ الْهِجْرَةُ وَ الْجِهَادُ۔

توضیح: تطییب: باب تفعیل، خوشبو لگانا، اچھا کرنا۔ طیب خاطرہ: مطمئن کرنا، تسکین دینا، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

ترجمہ: (۱۲۴) اور معروفات (بھلائیوں) کو رواج دینے کیلئے لوگوں کے ساتھ نرمی اور تسلی خاطر اور تعلیم کو عام کرنا اور دین کے ضروری احکام

پر عمل کرانے میں زبردستی کرنا اور تبلیغ کو تدریجی طور پر درجہ بدرجہ تبلیغ کرنا ہے۔ (۲۵) فرقہ بندی ختم کرنے، امت کو متحد کرنے، اخلاق حمیدہ کے مطابق مخلوق خدا کی تربیت کرنے کے لئے اللہ کی رسی (دین الٰہی) کو مضبوطی سے پکڑنے کی تعلیم دیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق و اتحاد کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان فرمایا ہے (۱) جماعت (۲) امام کی بات سننا (۳) امام کی اطاعت کرنا (۴) ضرورت پیش آئے تو ہجرت کرنا (۵) مشرکین کے ساتھ جہاد کرنا

(۲۴) بھلائیوں کی ترویج میں نرمی کا پہلو نہایت موثر ہوتا ہے اسی لئے انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم دی، حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کے بارے میں ارشاد ہے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ) سو اس سے نرم بات کہو شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ حضور ﷺ کو حکم ہوا خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (اعراف) عفو و درگزر اختیار کیجئے بھلائیوں کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (آل عمران) سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو ان کو نرم دل مل گیا اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل ہوتا تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے (تسلی خاطر کیلئے) کام میں مشورہ لے۔ یعنی موقع بموقع نرمی اور سختی سے کام لے، نہ بے جا نرمی ہو کہ لوگ میٹھا سمجھ کر کھا جائیں اور نہ اتنی سختی کہ لوگ ایلوا سمجھ کر نفرت کرنے لگیں۔ شیخ سعدی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　　کہ فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

نرمی و سختی علی وجہ الاتم جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی ہے۔ ارشاد رسول ہے بُعِثْتُ مَرْحَمَةً وَّ مَلْحَمَةً میں نرمی و سختی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ و خلفاء راشدین میں بھی نرمی و سختی علی وجہ الاتم موجود تھی ارشاد باری ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کفار کے مقابلے میں سخت

محبت، آپس میں رحمدلی۔

ضروریات دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے اور تعلیم کی اس طرح تکمیل کہ مکمل دین سے مع دلائل و حقائق واقفیت ہو جائے فرض کفایہ ہے، اسلئے امام کی ذمہ داری ہے کہ قوم کیلئے تعلیم کا معقول نظم و نسق کرے اور ان کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور تنبیہ کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے کیونکہ ضروریات دین میں تنبیہ کی تعلیم شریعت نے دی ہے ارشاد نبوی ہے جب بچہ سات سال کا ہو تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو۔

آہستہ آہستہ تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع کرے جو طریقہ نبوی کے مطابق ہو مثلاً پہلے اپنی، پھر اہل و عیال، پھر خاندان، پھر محلہ پڑوس اور بستی والوں کی اصلاح کی فکر کرے ارشاد باری ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ خود کو اور اپنے اہل کو جہنم سے بچاؤ۔ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. اور اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈرائیے۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا۔ تاکہ تو مکہ والوں اور اسکے ارد گرد کو ڈرائے۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ تاکہ تو عالمین کیلئے ڈرانے والا ہو۔

(۳۵) امام کا فریضہ ہے کہ ایسا منظم نظام بنائے کہ تمام لوگ ایک پلیٹ فارم پر آجائیں تاکہ آپسی پھوٹ، انتشار اور اختلاف سے محفوظ رہیں بلکہ بکھری ہوئی قوتیں مجتمع ہو جائیں ایسا نظام حبل اللہ یعنی کتاب و سنت ہے۔ اسکے اختیار کرنے سے قوموں کی شیرازہ بندی ہوتی ہے، مردہ دلوں کو تازگی ملتی ہے۔ لیکن کتاب و سنت پر عمل اپنی رائے اور خواہش کے مطابق نہیں بلکہ سلف صالحین کی تصریح کے مطابق ہو ارشاد باری ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو۔

آج کل کی منظمین تنظیمیں اس کا کامیاب حل نہیں کہ صرف کاغذی کاروائی ہو جائے اور اس موضوع پر ایک دو پروگرام کر کے لوگوں کو ترغیب دے دی جائے، بلکہ مطلوب تنظیم وہ ہے جو عمل پر آمادہ کرے ارشاد باری ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم) بلاشبہ جو

لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو رحمٰن محبت دے گا۔

۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد انسان کی ظاہری وباطنی اصلاح وتزکیہ ہے۔ اور خلافت کا مقصد انبیاء کرام کی راہِ مستقیم پر چلانا ہے اس لئے ظاہر وباطن دونوں کی اصلاح خلافت کی غایات میں سے ہے، ارشاد نبوی ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ مجھے اسلئے مبعوث کیا گیا تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ (حدیث) اخلاق خداوندی اختیار کرو۔ وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ۔ (انعام) اور انہوں نے ظاہری وباطنی گناہ چھوڑ دیئے۔

ظاہر وباطن دونوں کے تزکیہ کا نام شریعت ہے البتہ متاخرین علماء تزکیہ باطن کو طریقت اور تزکیہ ظاہری کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ تزکیہ باطن کو تصوف واحسان بھی کہا جاتا ہے۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور، یا بالکل غلط ہے، شریعت اور طریقت دونوں ایک ہیں، اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت نام ہے احکام تکلیفیہ کے اس میں اعمال ظاہری وباطنی سب آگئے۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جلا پیدا ہوتا ہے جس سے قلب بعض حقائق کونیہ بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ اور حقائق الہیہ صفاتیہ بالخصوص معاملات بین اللہ وبین العبد منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں، اور انکشاف کو معرفت۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔

(شریعت وطریقت ص ۳۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کا خلاصہ پانچ چیزوں میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ

يَعْمَلَ بِهِنَّ وَ أَنْ يَأْمُرَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْا بِهِنَّ (١) بِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (٢) وَ بِالصَّلٰوةِ (٣) وَ بِالصَّوْمِ (٤) وَ بِالصَّدَقَةِ (٥) وَبِذِكْرِ اللّٰهِ كَثِيْرًا. (وهذه اصولُ الديانة) و انا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ اَلْجَمَاعَةُ وَالسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ وَالْهِجْرَةُ وَ الْجِهَادُ. (وهذه اصُولُ السياسة).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو کرنے کا حکم دیں (١) اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت (٢) نماز (٣) روزہ (٤) صدقہ (٥) اللہ کا کثرت سے ذکر۔ (یہ اصول دین ہیں) میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے (١) جماعت مسلمین کا التزام (٢) امام کی بات سننا (٣) امام کی اطاعت کرنا (٤) ہجرت (٥) جہاد۔ (یہ اصول سیاسیہ ہیں)

ابن کثیر نے یہ حدیث يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ کے تحت نقل کی ہے، پس یہی امور خمسہ اخلاق اللہ ہیں اور یہی امور خمسہ سیاست دینیہ کی بنیاد ہیں۔

تمت وبالفضل عمت ١٨/٦/١٠ء

وصلى اللّٰه تعالى على خير خلقه مُحمّدٍ وّ على آله وصحبه اجمعين. برحمتك يا ارحم الرّاحمين.